ماھنامہ

صراطِ مستقیم برمنگھم

October 2023

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 43 No. 12 October 2023

Rabi ul Awal/ Rabi Al Thani 1445 AH

جلد: 43 شمارہ: 12 اکتوبر 2023ء

ربیع الاول/ربیع الثانی: 1445ھ

فہرست مضامین

مدیر مسؤل

محمد حفیظ اللہ خان المدنی

مدیر انتظامی

شعیب احمد میرپوری

زیر نگرانی

محمد عبدالہادی العمری

مجلس ادارت

ڈاکٹر صہیب حسن

ڈاکٹر محمد بہاؤالدین

عبدالرب ثاقب

حافظ عبدالاعلیٰ درانی

شفیق الرحمٰن شاہین

ذکاء اللہ سلیم

مؤسس

محمد عبدالکریم ثاقب

ایڈیٹر

عجائب خان

کمپوزنگ وتزئین

حافظ محمد عمر فاروقی

Correspondence Address:

SIRAT-E-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے وہ شریکوں اور ہمسروں سے پاک ہے، بیوی اور بچوں سے بالا ہے، اس کی ذات پاک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے۔ اس نے بندوں کو پیدا کیا ان کی طرف رسولوں کو بھیجا، ایمان اور درست عقیدہ کی وضاحت کے لیے ان پر کتابیں اتاریں۔ انہیں کفر کے راستوں اور الحاد کی راہوں سے ڈرایا، میں اس پاک ذات کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس کی بے پناہ مہربانی، امداد اور خوشبختی پر اس کا شکر بجالاتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ایک ایسی گواہی جس سے قیامت کے دن نجات کی امید رکھتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں ہمارے سردار اور نبی محمد ﷺ، اللہ کے بندے اور اس کے رسول، حق و درستی کی راہ کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔ اللہ کا درود و سلام نازل ہو آپ پر، آپ کی مکرم آل پر، صاحبانِ مجد اصحاب پر، تابعین پر اور جو درست طریقے سے ان کی پیروی کریں ان پر اور بہت زیادہ مزید بے شمار سلامتی ہو۔

امابعد!

اللہ کے بندوں! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ یہ دنیا بہت زیادہ دھوکہ اور فریب دینے والی ہے۔ نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے۔ شیطان برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، خسارے کی طرف بلاتا ہے۔ اس دنیا میں ابن آدم کی آرزو دراز ہے۔ اس میں اس کی عمر تھوڑی ہے جس کی موت آجائے اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور اس کے اہل خانہ اسے اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اس کے حیلے بہانیں ختم ہو جاتے ہیں۔ اعمال بدلہ ہیں، انجام سے ڈرو۔ زمانہ چند لمحے ہے، تم ہوشیار رہو۔ جس کا آج اس کے گزرے ہوئے کل سے بہتر نہ ہو، وہ دھوکہ میں ہے اور جو فائدہ میں نہ ہو وہ نقصان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴾ (سورۃ النساء :77)

”آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی سود مندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیز گاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ذرہ برابر بھی ستم روانہ رکھا جائے گا“

مسلمانوں! انسان کو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت اور جسم و روح سے بنی ہوئی خلقت کی وجہ سے نہ کوئی علم مطمئن کر سکتا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی آسائش کافی ہو سکتی ہے بلکہ اس کے اندر بے چینی و بے قراری اور خوف رہتا ہے اور اس کے اندر بے چینی کے بعد سکون، بے قراری کے بعد قرار اور خوف کے بعد امن کی ضرورت پائی جاتی ہے۔ تمام مخلوقات میں انسان ہی واحد ایسی مخلوق ہے جسے ایسے سہارے کی ضرورت ہے جس پر وہ اعتماد کر سکے، جب اس پر کوئی پریشانی آئے یا کوئی بڑی مصیبت نازل ہو، جب کسی ناپسندیدہ چیز سے اس کا سامنا ہو، جب کوئی امید بر نہ آئے اور جس کا ڈر ہو وہی واقع ہو جائے، اکیلا صرف انسان ہی آغاز و انجام پر غور و فکر کرتا ہے، کائنات پر غور کرتا ہے واقعات کی توجیہ کرتا ہے۔ اکیلا صرف انسان ہی ان افکار و ادراکات اور اسباب و مسببات کے مطابق موقف اختیار کرتا ہے۔ انسان کے تمام اجناس میں یہی مشترک دینی فطرت ہے چاہے وہ جتنے تعلیم یافتہ ہوں یا جتنے اَن پڑھ ہوں۔

اللہ کے بندوں! دین کا جوہر نفوس میں قائم ہے، کیونکہ وہ بشری فطرت کے جوہر سے منسلک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روح زمین کی قوموں میں کوئی قوم بغیر دین کے نہیں پائی گئی بلکہ انسان کو غذا اور دوا سے بڑھ کر دین کی ضرورت ہے۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جو زندگی کے جوہر سے جڑی ہوئی اور راز حیات سے منسلک ہے۔ کیا عقل مند انسان کی نظر میں یہ بات ہے کہ یہ زندگی صرف یہ ہے کہ ماں کے رحم سے پیدا ہوتے ہیں، زندگی نگلتی ہے اور مٹی ہی انجام ہے۔

ایک ملحد فلسفی کہتا ہے: ”تمام زمانوں اور شہروں میں عبادت گاہیں کلیسائیں اور مسجدیں اپنی عمارت عظمت اور رونق کے ساتھ اشارہ کرتی ہیں کہ انسان کو دین کی ضرورت، مضبوط رسی کی ضرورت ہے۔“

ایک دوسرا ملحد کہتا ہے:

”تاریخ میں بہت سے شہر بغیر قلعے کے پائے گئے ہیں بہت سے شہر بغیر محل کے پائے گئے ہیں بہت سے شہر بغیر اسکولوں کے پائے گئے ہیں لیکن ایسے شہر نہیں پائے گئے جہاں عبادت گاہیں نہ پائی گئی ہوں۔“

مسلمانوں! ہر انسان کے دل میں دین ایک راسخ فطرت ہے جسے اپنے ثبوت کے لیے کسی بہت بڑے مباحثے یا لمبی گفت و شنید کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ بدیہی چیزوں میں سے ہے۔ انسان عبادت، عقیدہ

اور ایمان پر پیدا کیا گیا ہے۔
نبی ﷺ کا فرمان ہے: ”ہر نومولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔“
یہاں تک کہ ملحد، یعنی، بے دین بھی یقین اور سکون تلاش کرتا ہے، اونچے مقاصد تلاش کرتا ہے اور یہ سب سوائے صحیح عقیدہ، دین حق اور سچے ایمان کے، کہیں اور نہیں مل سکتا۔ اللہ کے فضل اور احسان سے دین حق وہی ہے، جو کمزوری کے وقت قوت، نا امیدی کے وقت امید، ڈر کے وقت آس، بے چینی کے وقت سکون اور تنگی و پریشانی اور مصیبت کے وقت صبر عطا کرے۔ زندگی کا کوئی مزہ نہیں ہو گا اور نہ اس میں بلند مقاصد ہوں گے جبکہ دل میں روحانی خلا پایا جائے گا۔ درست دین، اقدار و اخلاق، بلند روایات اور مطمئن زندگی کا سرچشمہ ہے۔ مسلمانو! خالق کے سلسلے میں بعض عقلوں کا حیرت میں پڑنا کسی دلیل یا علم کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ حیرت جیسا کہ ”اہل تحقیق و نظر کہتے ہیں ایک عرضہ اور نفسیاتی وسوسہ ہے کوئی علمی و فکری مظاہرہ نہیں “ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾ (سورۃ الاعراف: 198)
”اور اگر تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو سن نہ سکیں اور تم انہیں دیکھتے ہو کہ بظاہر آنکھیں کھولے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر فی الواقع کچھ نہیں دیکھتے۔“
پتا چلا کہ ان عقلوں کے یہاں حیرت نفسیاتی آفت ہے، کوئی عقلی شبہ نہیں۔
بھائیو! الحاد، یعنی، بے دینی ایمان نہیں، بلکہ ایمان سے محرومی ہے۔ ملحد، اس لئے ملحد ہے کہ اس نے ایمان کے دلائل کو نہیں سمجھا، وہ اس لیے ملحد نہیں کہ وہ ایمان کی نفی پر دلائل رکھتا ہے، اس لیے کہ ملحد کے دل میں جو ہے وہ اللہ پر ایمان کا فقدان ہے نہ یہ کہ ایمان ہے کہ کوئی معبود نہیں، انکار اور شک کرنے والے کا نہ کسی صحیح علم پر مدار ہے اور نہ صریح عقل پر، بلکہ وہ انکاری ہے کہ اس نے دلیلوں کو نہیں سمجھا، اسے اس کی قدرت نہیں کہ وہ اپنے اعتقاد کی دلیل دے سکے، اسی لیے:
”ان کے بعض فلاسفہ نے کہا کوئی حقیقی ملحد نہیں پایا جاتا۔“
بھائیو! ملحد کا ضمیر راحت نہیں پاتا کیونکہ وہ فطرت کے موافق نہیں ہوتا۔ اس کا اندرون مطمئن نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ عقل کے مطابق نہیں ہوتا۔ اس نے واضح چیزوں پر دلیل طلب کی۔ وہ اس کی مانند ہے جو یہ چاہتا ہے کہ سورج کی روشنی کو دیئے سے روشن کرے۔ اس کے نزدیک کسوٹیاں الٹ گئیں، چنانچہ واضح چیزوں کے سلسلے میں اس کی اقل بھٹک گئی وہ معدوم وہم سے چلتا ہے اور وہ موہوم عدم کا لالچ رکھتا ہے۔
امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات پر غور کرو: ”بہت سے ضروری علوم فطری ہیں جب دلیل طلب کرنے والا ان پر دلیل طلب کرے تو دلیل چھپ جاتی ہے اور وہ شک میں پڑ جاتا ہے۔“
مسلمانو! دل کمزور ہیں، شبہات اچک لینے والے ہیں، خواہشات گمراہ کن ہیں، شہوات و خواہشات، شبہات کا گزرنا آسان کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شہوات و خواہشات، شبہات کو آسانی سے گزارنے والی ہیں۔
مسلمانو! الحاد، قلبی شک اور فکری انتشار سے بنا ہوا ہے۔ تم انہیں کہتے ہوئے دیکھو گے ہم شک سے چلتے ہیں تا کہ یقین تک پہنچیں۔ یہ ویسے ہی ہے جیسے کوئی کہے ہم زہر پیتے ہیں تا کہ اس کے بعد دواء کا تجربہ کریں۔
مسلمانو! عقلوں اور فطرتوں کے لیے اللہ پاک کا وجود، سورج کے ظہور اور دن کی روشنی سے زیادہ واضح ہے اور جو اپنی عقلوں، فطرت میں ایسا نہ دیکھے، اسے اپنی عقلوں، فطرت کو متہم کرنا چاہیے۔ ہر وہ چیز جسے تم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہو کان سے سنتے ہو اور عقل سے سمجھتے ہو وہ تمہارے لیے تمہارے رب کے ہونے پر دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ (سورۃ الطور: 35)
”کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں۔“
اللہ کو جاننے کا راستہ ضروری ہے اس میں کوئی شک نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوموں سے کہا کیا آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والے حق تعالیٰ کے بارے میں تمہیں شک ہے؟ سبحان اللہ! اس پر کیسے دلیل طلب کی جا سکتی ہے جو خود ہر چیز پر دلیل ہے۔ اللہ پر دلالت کے لیے مخلوقات کی سانسوں کی تعداد کے برابر راستے ہیں۔ ہر چیز میں اس کی نشانی ہے، جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے۔
بھائیوں! ملحد نے اپنے رب کو چھوڑا اور نیچر کی عبادت کی، اللہ کی نافرمانی کی اور انسان کی فرماں برداری کی، شریعت کو چھوڑا اور وہم کی پیروی کی، دین داروں پر اتباع کو معیوب جانا اور وہ خود اہلِ الحاد کے کہے سے لگا رہا، دین میں دل کے مخاطب کیے جانے کو برا جانا اور وہ حیران ہے کہ اس کے دل کو کون مخاطب کر رہا ہے، اس نے اعتماد کا دعویٰ کیا جبکہ بے چینی اس کے دل میں بھری ہوئی ہے، اس کو یقین کا گمان ہے جب کے حیرت اس کے پورے وجود پر مسلط ہے۔
مسلمانو! دین کی جہالت، کسی بھی جگہ اور کسی بھی زمانے میں الحاد و بے دینی کی نشو نما کے لیے زرخیز مٹی

ہے اور صحیح دین جتنا زیادہ راسخ ہو گا، گمراہی اتنی زیادہ دور ہو گی۔

بھائیو! حق کو ماننا، نا دلیل کی قوت پر منحصر ہے اور نا دلیل کے واضح ہونے پر، بلکہ وہ تو حقیقت کی طلب اور اس کے حرص میں صدق و سچائی پر منحصر ہے۔ اسی لیے حقائق کی گفتگو ایسے شخص سے کرنا جو اس کی طلب میں سچا نہ ہو، بیکار کی محنت ہے۔ ان تمام باتوں کے بعد۔

اے منکرو! شک کرنے والوں! اور ملحدوں، اگر تم ناشکری کرو تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا اور یہ بات ہے کہ جسے اللہ ہی نور نہ دے تو اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی اور جس کو فتنے میں مبتلا کرنا اللہ کو منظور ہو تو آپ اس کے لیے خدائی ہدایت میں سے کسی چیز کے مختار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ0 أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ 0 أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ 0 أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ 0 أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ 0 أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ 0 أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ 0 أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ 0 أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ (سورة الطور :34-43)

” یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا خود پیدا کرنے والے ہیں، کیا انہوں نے یہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں، کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟ یا ان خزانوں کے یہ داروغا ہیں؟ یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر سنتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کا سننے والا کوئی روشن دلیل پیش کرے۔ کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں ہیں اور تمہارے ہاں لڑکے ہیں؟ کیا تو ان سے کوئی اجرت طلب کرتا ہے؟ کیا ان کے تاوان سے بوجھل ہو رہے ہیں؟ کیا ان کے پاس علم غیب ہے، جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟ کیا یہ لوگ کوئی سازش کرنا چاہتے ہیں؟ تو یقین کر لیں کہ کافر خود ہی اپنی سازشوں کے شکار ہیں۔ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود ہے، ہر گز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو اپنی کتاب کے طریقے اور اپنے نبی محمد ﷺ کی سنن سے نفع پہنچائے۔ میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اپنے لئے، آپ کے لئے اور بقیہ تمام مسلمانوں کے لئے ہر گناہ اور خطا سے مغفرت طلب کرتا ہوں، تم بھی اس سے مغفرت طلب کرو، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ:

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے، اس نے اپنی وحی سے نفسوں کو زندہ کیا، اپنی آیتوں سے دلوں کو شفا بخشی، میں اس پاک ذات کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس کا شکر بجالاتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی نے پیدا کیا اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ نے آپ کے ذریعے اندھی آنکھوں کو کھولا تو وہ دیکھنے لگے، بہرے کانوں کو کھولا تو وہ سننے لگے اور بند دلوں کو کھولا تو وہ سمجھنے لگے اور اللہ کی اطاعت کے لیے عقلی، قولی اور عملی طور پر رام ہو گئے اور اس کی خوشنودی کی ہموار راہوں پر چلنے لگے۔

درود و سلام اور برکتیں نازل ہوں آپ پر، آپ کے آل و اصحاب پر، درست طریقے سے ان کی پیروی کرنے والوں پر اور بہت زیادہ سلامتی ہو۔

اما بعد! مسلمانوں! انسان سے بہتر اللہ کی کوئی مخلوق نہیں، اللہ نے اسے زندہ جاننے والا، قدرت رکھنے والا، بولنے والا، سننے والا، دیکھنے والا اور عقل والا پیدا کیا۔ جہاں تک ملحدوں کی بات ہے تو انہوں نے انسان کو ربانی تکریم کی عزت سے نکال کر حیوان کے گڑھے تک اور حیوان سے بھی بد درجے تک گرا دیا اور اس سے عقل کی خاصیت چھین لی کہ

انسان اپنی عقل سے ہی شعور اور آزاد ارادہ کے ساتھ تمام مخلوقات سے بلند ہوتا ہے۔ یہ کوئی ظاہری جبلی خصلت نہیں۔ ملحدوں نے انسان سے اپنے لیے کائنات کو مسخر کرنے کی فضیلت چھین لی۔ ملحدوں کے نزدیک ایک انسان خلیہ سے، پھر کیڑے سے اور اس سے بھی کم تر کسی چیز سے گرا ہوا ہے۔ وہ انسان کو صرف کائنات کا ایک ذرہ سمجھتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ (سورۃ الاسراء :70)

” یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خوش کی اور طریقی سواریاں دی اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دی اور اپنی بہت سے مخلوق پر انہیں فضیلت عطا کی۔“

اور اللہ تبارک و تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (سورۃ الجاثیہ:13)

"اور آسمان و زمین کے ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنے طرف سے تمہارے لیے تابع کر دیا ہے۔ جو غور کریں یقیناً اس میں بہت سے نشانیاں پالیں گے۔"

اللہ تم پر رحم کرے، اللہ کا تقوی اختیار کرو اور ان کریمانہ آیتوں پر غور کرو آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے آپ کہہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ

اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم راست وہ ہو اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے وہ راہِ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کردے ناممکن ہے کہ

آپ اس کا کوئی کارساز اور رہنما پا سکیں انہیں ہدایت پر لاکھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اللہ جس کو چاہے بے راہ کردے اور وہ جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگا دے اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روح زمین کے سب کے سب لوگ ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں پر ضبر دستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ

وہ مومن ہی ہو جائیں حالانکہ کسی شخص کا ایمان اللہ تعالیٰ کا حکم کے بغیر ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے آپ کہہ دیجئے تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نشانی اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی یہ باتیں رہیں اور درود و سلام بھیجو ہدیہ کی ہوئی رحمت اور تحفہ دی گئی نعمت تمہیں اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ پر کے اس کا حکم تمہارے رب نے اپنے محکم تنزیل میں دیا ہے اس نے قریبانہ بات کہی ہے اور وہ اپنی بات میں سچا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۃ الاحزاب :56)

"اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں اے مؤمنو! تم بھی ان پر رحمت بھیجو اور خوب سلام بھی بھیجتے رہا کرو۔"

اے اللہ درود و سلام اور برکتیں نازل فرما اپنے بندے اور رسول ہمارے نبی محمد مصطفیٰ نبی مجتبیٰ ﷺ پر آپ کی طیب و طاہر آل پر مومنوں کی مائے ان کی بی بیوں پر اور اے اللہ تو راضی ہو جاؤ ان کے چاروں ہدایت یافتہ خلفہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی سے اور تمام صحابہ سے، تابعین سے اور تا قیامت درست طریقے سے ان کی پیروی کریں اور اپنے عفو و کرم اور احسان و سخا سے ہم سے بھی، اے اکرم المکرمین۔

اے اللہ اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ عطا کر۔ اے اللہ اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ عطا کر، شرک و مشرکین کو رسوا کر سرکشوں ملحدوں اور بقیہ دین و ملت کے تمام دشمنوں کو ناکام و نامراد کر۔

اے اللہ ہمیں اپنے وطن امنی سے نواز ہمارے سربراہوں اور حکمرانوں کی اصلاح فرما، اور ہماری سربراہی انہیں بخش جو تجھ سے خوف کہائیں، تیرا تقوی اختیار کریں تیری خشنودی کی پیروی کریں۔

اے اللہ ہمارے سربراہوں کو اپنی اطاعت سے معزز کر ان کے زریعہ اپنا کلمہ کو بلند کر انہیں اسلام اور مسلمانوں کے کئے باعث مسرت بنا انہیں ان کے ولی عہد ان کے اخوان و اعوان کو اس کی توفیق دیں جو تیری منشاء و مرضی کے مطابق ہوں۔ انہیں بھلائی اور تقوی کی راہ پر چلا۔

اے اللہ مسلمانوں کے حکمرانوں کو اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دیں، انہیں اپنے مومن بندوں کے لئے رحمت بنا اور حق و ہدایت پر انہیں متحد کردیں۔

اے رب العالمین ہدایت دے مسلمانوں کو اور ایسا سماج مسلمانوں کا بنادیں جس میں امر بالمعروف ہو رہا ہو۔

اے اللہ جو ہمارے ساتھ اور ہماری کتاب و دین کے ساتھ برائی کا ارادہ رکھتا کریں ہمارے امن کے ساتھ برائی کا ارادہ کریں۔

اے اللہ تو اس کو اسی میں الجھا دیں اور اس کی سازش کو اسی پر لوٹا دیں۔

اے اللہ! ہم ان کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں اور ہم تمہیں ان کے مقابلوں میں رکھتیں ہیں۔

اے اللہ مسجد اقصی کو قابضوں اور غاصبوں سے آزاد کر۔

اے اللہ اس گھر کی شان بلند کر اس کا مقام اونچا کر اس کی عمارت مضبوط کر اس کو ستونوں کو ثابت کر، اے دعائیں کو سنیں والے۔

اے اللہ سرحدوں پر تعینات سپاہیوں کی ہمارے مدد فرما۔

اے اللہ ان کی راہیں درست کر، ان کے نشانے صحیح کر، ان کی کمر کس دیں، ان کی عظائم مظبوط کر، ان کے پاوں جمع دیں، ان کو دل جمعی عطا کر۔

اے اللہ ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہم پر رحم نہ کریں گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے رہ جائیں گئے۔

اے اللہ ہمیں دنیا میں بہلائی دیں اور آخرت میں بہلائی دیں اور جہنم کے عذاب سے بچا۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ 0 وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ 0 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

(1)'عیدِ میلاد' کی تاریخ

'عید میلاد' کے موجِد

عہدِ نبوی ﷺ، عہدِ صحابہ، نیز تابعینِ عظام اور اُن کے بعد کے ادوار میں 'عیدِ میلاد' کا کوئی تصور نہیں تھا، بلکہ یہ بدعت بہت بعد میں ایجاد ہوئی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار میلاد منانے والے بھی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جب یہ بات مسلّم ہے کہ اس عمل کی ایجاد بعد میں ہوئی تو ہمیں یہ ضرور پتہ لگانا چاہیے کہ اس کی ایجاد کب ہوئی؟ اور اسے ایجاد کرنے والے کون لوگ تھے؟ اس سلسلے میں جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس بدعت کی ایجاد فاطمی دور (362ھ - 567ھ) میں ہوئی اور اسے ایجاد کرنے والے بھی فاطمی خلفا ہی تھے، احمد بن علی بن عبد القادر لکھتے ہیں:

وكان للخلفاء الفاطميين في طول السنة أعياد ومواسم وهي موسم رأس السنة، موسم أوّل العام، ويوم عاشوراء، ومولد النبي ﷺ... (الخطط المقریزیہ: 1/495)

"یعنی فاطمی خلفا کے یہاں سال بھر میں کئی طرح کے جشن اور محفلوں کا انعقاد ہوتا تھا اور وہ یہ ہیں: سال کے اختتام کا جشن، نئے سال کا جشن، یوم عاشورا کا جشن، اور میلاد النبی ﷺ کا جشن۔"

اور تقریباً یہی بات احمد بن علی بن احمد فزاری (متوفی: 821ھ) نے کچھ یوں نقل کی ہے:

اَلْجُلُوسُ الثَّالِث جُلُوسه فِي مَوْلِدِ النَّبِيّ ﷺ فِي الثَّانِي عَشرَ مِنْ شَهرِ رَبِيْعِ الأَوّلِ وَكَانَ عَادَتهُمْ فِيهِ أَنْ يَعمَلَ فِي دَارِ الْفِطْرَةِ عِشرُونَ قِنطَارًا مِنَ السُّكَّرِ الفَائِقِ حلْوىٰ مِنْ طَرَائِفِ الأَصْنَافِ، وَتعبّى فِي ثَلَاث مِائَة صِيْنِية نُحَاسٍ. فَإِذَا كَانَ لَيلَةُ ذٰلِكَ المولِد، تَفَرّقَ فِي أَرْبَابِ الرُّسُوْمِ: كَقَاضِي الْقُضَاةِ، وَدَاعِي الدُّعَاةِ، وَقُرّاء الْحضرَةِ، وَالخُطبَاء، وَالمتصَدّرِينْ بِالجَوامِعِ القَاهِرَةِ وَمِصرَ، وَقَومة المُشَاهِدِ وَغَيْرهم مِمّن لَه اسْم ثَابِت بِالدّيوَانِ (صبح الاعشی: 3/576)

"تیسرا جلوس ربیع الاوّل کو میلاد النبی ﷺ کا نکالا جاتا تھا۔ اس جلوس میں ان کا طریقہ یہ تھا کہ 'دار الفطرہ' میں 20 قنطار عمدہ شکر سے مختلف قسم کا حلوہ تیار کیا جاتا اور پیتل کے تین سو برتنوں میں ڈالا جاتا اور جب میلاد کی رات ہوتی تو اس حلوہ کو مختلف ذمہ داران مثلاً قاضی القُضاۃ، داعی الدُعاۃ، قرا، واعظین، قاہرہ اور مصر کی جامع مساجد کے صدور، مزاروں کے مجاور و نگران اور دیگر ایسے لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا جن کا نام رجسٹرڈ ہوتا۔"

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چوتھی صدی سے ہوا۔" (سیرۃ النبی: 3/664)

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ 'عید میلاد' فاطمی دور (362ھ - 567ھ) میں ایجاد ہوئی اور اسے ایجاد کرنے والے فاطمی خلفا ہی تھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے: البدع الحولیہ: ص137 تا 151)

فاطمی خلفا کی حقیقت

اب آیے دیکھتے ہیں کہ اس بدعت کو ایجاد کرنے والے فاطمی خلفا حقیقت میں کون تھے؟ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فاطمی خلفا، آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہرگز نہیں تھے، بلکہ یہ لوگ یہودیوں اور مجوسیوں کی اولاد تھے اور اسلام کے کٹر دشمن تھے، اُنہوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور سراسر جھوٹ اور فریب کا سہارا لیتے ہوئے اپنے آپ کو فاطمی النسل ظاہر کیا، لیکن علماے وقت نے اُن کے اس جھوٹ کا پردہ چاک کر دیا اور صاف اعلان کر دیا کہ یہ لوگ فاطمی النسل ہرگز نہیں ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

وأهل العلم بالأنساب من المحققين ينكرون دعواه في النسب.

"ماہر انساب محقق علمانے ان کے فاطمی النسل ہونے کے دعوی کی تردید کی ہے۔" (وفیات الاعیان: 3/117، 118)

بلکہ 402ھ میں تو اہل سنّت کے اکابر کا ایک اجلاس ہوا جس میں چوٹی کے محدثین، فقہا، قاضیوں اور دیگر بزرگان نے شرکت کی اور سب نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا کہ خود کو فاطمی النسل ظاہر کرنے والے خلفا جھوٹے اور مکار ہیں، اہل بیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، پھر علما کے اس متفقہ فیصلہ کو تحریری شکل میں لکھا گیا اور تمام لوگوں نے اس پر دستخط کیے۔ (البدایہ والنہایہ: 11/360،361، اور اس کا اردو ترجمہ تاریخ ابن کثیر: 11/779،780)

علما کی اس متفقہ تحریر میں فاطمیوں کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کی گئی:

هٰذا لحاكم بمصر-هو وسلفه- كفار فساق فجار، ملحدون زنادقة، معطلون، وللإسلام جاحدون، ولمذهب المجوسية والثنوية معتقدون، قد عطلوا الحدود، وأباحو الفروج، وأحلوا الخمر، وسفكوا الدماء، وسبواالأنبياء، ولعنوا السلف، وادعوا الربوبية وكتب في سنة اثنتين وأربع مائة للهجرة، وقد كتب خطه في المحضر خلق كثير. (البدایہ والنہایہ: 11/361، اور اس کا اُردو ترجمہ تاریخ ابن کثیر: 11/780، 779 مذکورہ ترجمہ اسی کتاب کا ہے۔)

''مصر کا یہ بادشاہ حاکم اوراس کے تمام سابقہ سربراہان، کافر، فاجر، فاسق، ملحد، زندیق، فرقہ معطلہ سے تعلق رکھنے والے، اسلام کے منکر اور مذہبِ مجوسیت اور ثنویت کے معتقد تھے۔ ان تمام لوگوں نے حدودِ شرعیہ کو بے کار اور حرام کاریوں کو مباح کر دیا تھا۔ مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہایا، انبیاے کرام کو گالیاں دیں، اسلاف پر لعنتیں بھیجیں، خدائی کے دعوے کیے۔ یہ ساری باتیں 402ھ میں ہر طبقہ کے بے شمار آدمیوں کی موجودگی میں لکھی گئی ہیں اور بہت سے لوگوں نے اس پر دستخط کیے ہیں۔''

اسی پر بس نہیں بلکہ بعض علما نے اپنی بعض کتابوں میں ان کے کفر و فسق پر خصوصی بحث کی ہے، مثلاً امام غزالی نے اپنی کتاب 'فضائح الباطنیہ' میں ایک خصوصی بحث کرتے ہوئے اُنہیں خالص کافر قرار دیا۔ (فضائح الباطنیہ: 1/37)

بلکہ بعض علما نے توان کے خلاف مستقل کتاب لکھ ڈالی ہے مثلاً امام قاضی ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الأستار وھتک الأستار نامی کتاب لکھی اور اس میں ثابت کیا کہ فاطمی، مجوسیوں کی اولاد ہیں اور ان کا مذہب یہود و نصاریٰ کے مذہب سے بھی بدتر ہے۔

یہ تو علماے اہل سنت کا فیصلہ ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ وہ معتزلہ اور شیعہ جو سیدنا علی سے افضل کسی کو نہیں سمجھتے، اُنہوں نے بھی فاطمیوں کو کافر اور منافق قرار دیا ہے۔ (مجموع فتاوٰی ابن تیمیہ: 35/129)

غرض یہ کہ جمہور اُمت نے انہیں کافر و فاسق قرار دیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وكذلك النسب قد علم أن جمهور الأمة تطعن في نسبهم، ويذكرون أنهم من أولاد المجوس أو اليهود، هٰذا مشهور من شهادة علماء الطوائف من الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة وأهل الحديث وأهل الكلام، وعلماء النسب والعامة وغيرهم (مجموع فتاوٰی ابن تیمیہ: 35/128)

''یعنی اسی طرح فاطمیوں کا نسب بھی جھوٹا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جمہور اُمّت فاطمیوں کے نسب کو غلط قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ مجوسیوں یا یہودیوں کی اولاد ہیں، یہ بات مشہور و معروف ہے۔ اس کی گواہی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اہل حدیث، اہل کلام کے علماے نسب کے ماہرین اور عوام و خواص سب دیتے ہیں۔''

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ 'عید میلاد' کی ایجاد کرنے والے مسلمان نہ تھے بلکہ یہ یہودیوں اور مجوسیوں کی ایجاد ہے، اُنہوں نے گہری سازش کر کے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور اپنی حقیقت چھپانے کے لیے خود کو فاطمی النسل کہا اور اپنے اس دعوٰی کو مضبوط بنانے کے لئے 'عید میلاد' کا ڈرامہ کھیلا تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ واقعی یہ لوگ اہل بیت میں سے ہیں اور نبی کریم ﷺ سے محبت کا ڈھونگ رچایا۔

مسلمانوں میں اس بدعت کا رواج

فاطمی دور کے مسلمانوں نے یہودیوں کی ایجاد کردہ بدعت کو قبول نہیں کیا اور یہ بدعت صرف فاطمی خلفا ہی تک محدود رہی، لیکن تقریباً دو سو سال کے بعد عمر بن محمد نام کا ایک ملّا اور مجہول الحال شخص ظاہر ہوا اور اُس نے اس یہودی بدعت کی تجدید کی، اور ابوسعید الملک المعظم مظفر الدین بن زین الدین کوکبوری نامی بادشاہ جو ایک فضول خرچ اور بداخلاق بادشاہ تھا، لہو و لعب، اور گانے باجے کا رسیا تھا، بلکہ خود بھی ناچتا تھا۔ (تاریخ مرآۃ الزمان؛ وفیات الاعیان بحوالہ تاریخ میلاد: ص26، 25)

اس بد خلق بادشاہ نے اس بدعت کو مسلمانوں میں رائج کیا۔ اس کے بعد ابو الخطاب بن دحیہ نامی ایک کذاب اور بد دماغ شخص نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اس موضوع پر ایک کتاب لکھ ڈالی۔ پوری دنیا میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جسے اس کذاب نے تالیف کیا، اس مؤلف کو تمام ائمہ نے متفق ہو کر 'کذاب' قرار دیا ہے۔ ابن نجار کہتے ہیں:

رأيت الناس مجتمعين علىٰ كذبه ووضعه وادعائه لسمع ما لم يسمعه ولقاء من لم يلقه (لسان المیزان: 4/295)

''تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن دحیۃ جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا ہے اور یہ ایسے شخص سے سننے کا دعوی کرتا ہے جس سے ہرگز نہیں سنا اور ایسے شخص سے ملاقات کا دعوی کرتا ہے جن سے وہ ہرگز نہیں ملا۔''

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے محدثین کا فیصلہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كثيرالوقيعة في الأئمة وفي السلف من العلماء، خبيث اللسان أحمق شديد الكبر. (لسان المیزان: 4/296)

"ابن دحیہ ائمہ اور علمائے سلف کی شان میں بہت زیادہ گستاخی کرنے والا، بدزبان، احمق اور بڑا متکبر تھا۔"

اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ابن دحیہ اپنی عقل سے فتوی دے دیتا پھر اس کی دلیل تلاش کرنے لگ جاتا اور جب اسے کوئی دلیل نہ ملتی تو اپنی طرف سے حدیث گھڑ کے پیش کر دیتا، مغرب میں قصر کرنے کی حدیث اُسی نے گھڑی ہے۔" (تدریب الراوی:1/286)

قارئین کرام! یہ ہے 'عید میلاد' کی تاریخ ،یہ یہودیوں کی ایجاد ہے اور اسے مسلمانوں میں ان لوگوں نے رائج کیا جو بد اخلاق ،احمق اور کذاب تھے ،اگر کوئی صرف انہیں باتوں پر غور کرلے تو وہ یقینا یہی فیصلہ کرے گا کہ اسلام میں اس بدعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(2) 'عید میلاد' کی شرعی حیثیت

قرآن وحدیث کی رو سے اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ 'عید میلاد' بدعات میں سے ایک بدترین بدعت ہے۔ بہت سارے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ قران وحدیث میں اگر عید میلاد کا حکم نہیں ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں ہے ،حالانکہ یہ غلط خیال ہے ،کیونکہ عید میلاد کی ممانعت اور اس کا بطلان قران وحدیث دونوں میں موجود ہے ،لیکن قران وحدیث کی یہ دلیلیں دیکھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ قران وحدیث میں بعض چیزوں کو عام طور پر باطل قرار دیا گیاہے اور کسی خاص چیز کا نام نہیں لیا گیاہے ۔لہذا یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کی ممانعت قرآن وحدیث میں نہیں ہے، مثال کے طور پر پوری اُمّتِ اسلامیہ کے نزدیک کافر قرار پانے والے مرزاغلام احمد قادیانی کا نام قران وحدیث میں کہیں نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بھی پوری اُمت کا ماننا ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے قادیانی کی نبوت باطل ہے، کیونکہ قرآن میں جو یہ کہا گیا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، یعنی آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کرے گا، اس کی نبوت باطل ہے ،تو اس بطلان میں مرزا قادیانی کی نبوت بھی شامل ہے ۔اسی طرح حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا، یعنی آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کرے گا، اس کی نبوت باطل ہے تو اس بطلان میں قادیانی کی نبوت بھی شامل ہے۔ ٹھیک اسی طرح عید میلاد بھی قرآن وحدیث کی رو سے باطل ہے چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔" (سورۃ المائدۃ:3)

یعنی اب اگر کوئی دین میں کسی نئی چیز کا دعوی کرے گا تو وہ باطل ہے ،عید میلاد بھی دین میں نئی چیز ہے لہذا قرآن کی اس آیت کی روشنی میں باطل ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"جس نے بھی ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی، وہ مردود ہے۔" (صحیح بخاری:2697)

اور عید میلاد بھی دین میں نئی چیز ہے، لہذا اس حدیث کی روشنی میں باطل ہے۔ نیز اللہ تعالی کا یہ بھی ارشاد ہے:"اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے مت بڑھو۔" (سورۃ الحجرات:1)

یعنی دین میں جس عمل کا حکم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نہ دیں، اُسے مت کرو۔ عید میلاد منانے کا حکم نہ اللہ نے دیا، نہ اس کے رسول ﷺ نے۔ لہذا قرآن کی اس آیت میں عیدِ میلاد سے منع کیا گیاہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "دین میں نئی چیزیں مت ایجاد کرو۔" (سنن ابوداؤد:4607)

یعنی دین میں جس عمل کا حکم نہ ہو، اسے مت کرو۔ عید میلاد منانے کا حکم دین میں نہیں ہے لہذا اس حدیث میں بھی عید میلاد سے منع کیا گیاہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید میلاد قرآن وحدیث کی روشنی میں باطل اور ممنوع ہے لہذا اب یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ عید میلاد منانے کا حکم نہیں ہے تو اس سے منع بھی نہیں کیا گیاہے، کیونکہ قرآن وحدیث سے اس کا بطلان اور اس کی ممانعت پیش کی جاچکی ہے۔

واضح رہے کہ جہاں تک رسول اکرم ﷺ سے محبت کا تعلق ہے تو اس سے کسی کو انکار نہیں ،بلکہ حدیثِ رسول ﷺ کے مطابق ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کے رسول ﷺ اس کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں، لیکن محبت کا طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ہونا چاہیے۔

(3) عید میلاد کے دلائل کا جائزہ

عید میلاد منانے والے ایک طرف تو اسے 'بدعتِ حسنہ' کہتے ہیں، یعنی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس کا حکم قران وحدیث میں نہیں ہے بلکہ یہ بعد کی ایجاد یعنی بدعت ہے، لیکن بدعتِ حسنہ ہے، مگر دوسری طرف قرآن وحدیث سے اس کے دلائل بھی پیش کرتے ہیں ،یہ عجیب تضاد ہے! کیونکہ اگر اس کے دلائل قرآن وحدیث میں ہیں تو یہ بدعت حسنہ نہیں بلکہ سنت ہے ،اور اگر یہ بدعتِ حسنہ ہے تو قرآن وحدیث میں اس کے دلائل کا ہونا ممکن ہی نہیں ،صرف اسی بات پر غور کر لینے سے وہ تمام دلائل بے معنٰی ہو جاتے ہیں جو میلاد کے جواز میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور بات قابل غور ہے کہ اگر قرآن وحدیث میں عید میلاد کا حکم ہے تو یہ حکم سب سے پہلے کس کو ملا؟ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کو، پھر سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس حکم پر عمل کیوں نہ کیا؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ صحابہ کرام نے اس حکم کی نافرمانی کی، یہ ماننے کی صورت میں صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کا ارتکاب ہو گا ونعوذ باللہ من ذلک۔ اور دوسرا یہ کہ قرآن وحدیث میں یہ حکم موجود ہی نہیں، اسی لیے صحابہ کرام نے اس پر عمل نہ کیا، یہ ماننے کی صورت میں صحابہ کی عظمت برقرار رہتی ہے، لیکن پھر یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کے دلائل ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ کچھ لوگ اس سیدھی سادھی بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور قرآن وحدیث سے زبردستی عید میلاد کے دلائل کشید کرتے ہیں۔ اس قسم کے دلائل بہت پیش کیے جاتے ہیں، مذکورہ تفصیل سے ایسے تمام دلائل کی حقیقت واضح ہو گئی، ان پر مزید کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن پھر بھی ہم بعض دلائل پر خصوصی بحث کرتے ہیں تاکہ بات مزید واضح ہو جائے۔

غلط فہمی نمبر1

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُل بِفَضلِ اللهِ وَبِرَحمَتِهِ فَبِذلِكَ فَليَفرَحوا هُوَ خَيرٌ مِمّا يَجمَعونَ ﴾ (سورة یونس: 58)

"کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ساتھ، پس اس کے ساتھ وہ خوش ہو جائیں، وہ اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کرتے ہیں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت پر خوش ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ تو رحمۃ للعالمین ہیں، لہٰذا اُن کی آمد پر سب سے زیادہ خوشی منانی چاہیے۔

وضاحت

اوّلاً: اس آیت میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ ہاں اس سے پچھلی آیت میں نزول قرآن اور نزولِ ہدایت کا ذکر ضرور ہے۔

ثانیاً: اس آیت میں جس فضل ورحمت کا تذکرہ ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد کتاب وسنت کو بتلایا ہے۔ جناب ایفع بن عبد سے مروی ہے کہ

لما قَدِمَ خَرَاجُ الْعِرَاقِ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَرَجَ عُمَرُ وَمَوْلًى لَهُ، فَجَعَلَ عُمَرُ يَعُدُّ الْإِبِلَ، فَإِذَا هِيَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ، وَجَعَلَ عُمَرُ يَقُولُ: الْحَمْدُ لِلهِ وَجَعَلَ مَوْلَاهُ يَقُولُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، هَذَا وَاللهِ مِنْ فَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ، فَقَالَ عُمَرُ: كَذَبْتَ، لَيْسَ هُوَ هَذَا، يَقُولُ اللهُ تَعَالَى:﴿قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَ بِرَحْمَتِه فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ يَقُولُ:بِالْهُدَى وَالسُّنَّةِ وَالْقُرْآنِ، فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا، هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ، وَهَذَا مِمَّا يَجْمَعُونَ (حلیۃ الاولیا:5/133)

"جب عراق کا خراج عمر فاروق کے پاس آیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ایک غلام کے ساتھ نکلے اور اونٹوں کا شمار کرنے لگے جو بہت زیادہ تھے۔ عمر فاروق کہنے لگے: "اللہ کا شکر ہے۔" اور ان کا غلام بولا: "اے امیر المؤمنین! اللہ کی قسم! یہ اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت ہے۔" تو عمر فاروق نے کہا: "تو نے غلط کہا، ایسا نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: "کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ساتھ، پس اس کے ساتھ وہ خوش ہو جائیں۔" یعنی ہدایت، سنت اور قرآن سے خوش ہو جائیں، اس لیے اسی ہدایت، سنت اور قرآن سے خوش ہو جاؤ اور یہ (ہدایت اور قرآن وسنت) تمہاری جمع کردہ چیزوں سے بہتر ہے۔ اور یہ (اونٹ وغیرہ تو) وہ ہیں جنہیں لوگ جمع کرتے ہیں۔"

ثالثاً: لغتِ عرب میں فرحت، خوشی محسوس کرنے کو کہتے ہیں، خوشی یا جشن منانے کو نہیں۔ خوش ہونا اور چیز ہے، اور خوشی یا جشن منانا اور چیز ہے۔ ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿فَرِحَ المُخَلَّفونَ بِمَقعَدِهِم خِلافَ رَسولِ اللهِ﴾ (سورۃ التوبہ: 81)

"رسول اللہ ﷺ (کے ساتھ غزوہ تبوک پر جانے کے بجائے آپ ﷺ) سے پیچھے رہنے والے خوش ہوئے۔"

تو کیا منافقین نے جشن منایا اور ریلیاں نکالی تھیں یا دلی خوشی محسوس کی تھی؟

رابعاً: اگر یہ آیت واقعی جشن منانے کی دلیل ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین وائمہ دین نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟

غلط فہمی نمبر2

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قالَ عيسَى ابنُ مَريَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنا أَنزِل عَلَينا مائِدَةً مِنَ السَّماءِ تَكونُ لَنا عيدًا لِأَوَّلِنا وَءاخِرِنا وَءايَةً مِنكَ وَارزُقنا وَأَنتَ خَيرُ الرّٰزِقينَ ﴾ (سورۃ المائدۃ: 114)

"عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے اللہ! اے ہمارے ربّ! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما جو ہمارے اوّل و آخر سب کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی ہو۔ اور ہمیں رزق دے اور تو ہی سب رزق دینے والوں میں بہترین رزق دینے والا ہے۔"

اس آیت میں عیسیٰ بن مریم مائدہ کے نازل ہونے کے دن کو عید کا دن قرار دے رہے ہیں۔ تو ہم آمد رسول ﷺ کے دن کو عید کا دن کیوں نہیں قرار دے سکتے؟

وضاحت

اس آیت کو عید میلاد النبی ﷺ پر دلیل بنانا غلط ہے، کیونکہ

اوّلاً: عیسیٰ بن مریم مائدہ کو عید قرار دے رہے ہیں، نہ کہ مائدہ نازل ہونے کے دن کو، کیونکہ ﴿ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا ﴾ میں کلمہ تَکُون واحد مؤنث کا صیغہ ہے جس کا مرجع مائدہ ہے اور مائدہ کا نزول باعثِ خوشی ہے نہ کہ باعثِ جشن۔

ثانیاً: اگر یہاں سے عید مراد لے بھی لی جائے تو پھر ہر مائدہ کے نزول پر عید منانا لازم آتا ہے اور نزولِ مائدہ والا یہ کام تو روزانہ بلا ناغہ صبح و شام ہوتا تھا۔ اور پھر عید منانے اور جشن منانے میں بہت فرق ہے۔ مسلمانوں کی عیدین یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی رسول اللہ ﷺ سے جشن منانا یا ریلیاں اور جلوس نکالنا ثابت نہیں، فتدبّر...!

غلط فہمی نمبر 3

کہا جاتا ہے کہ ابو لہب کے مرنے کے بعد اس کے کسی رشتہ دار نے اُسے بہت بری حالت میں دیکھا اور پوچھا تیرا کیا حال ہے ؟ ابو لہب نے کہا: تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی راحت نہ پائی سوائے اِس کے کہ مجھے پیر کے دن انگوٹھے اور شہادت کی اُنگلی کے بیچ سے کچھ پینے کو مل جاتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ چیز دودھ اور شہد تھی۔

وضاحت

اوّلاً: یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس روایت کو عروہ نے بیان کیا ہے، لیکن اُنہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اُنہیں یہ روایت کہاں سے ملی ؟ اور کس سے سنا؟... لہٰذا یہ روایت منقطع یعنی ضعیف ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت قرآنی بیان کے خلاف ہے، کیونکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے ہاتھ اور اُس کی انگلیاں صحیح سلامت ہیں بلکہ کوئی چیز پینے کے بھی قابل ہیں، جب کہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ (سورۃ المسد: 1)

مولانا احمد رضا صاحب اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تباہ ہو جائیں ابو لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا۔" (کنز الایمان: ترجمہ سورۂ مسد، آیت 1)

اور پیر محمد کرم شاہ سجادہ نشین اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ٹوٹ جائیں ابو لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا۔" (تفسیر ضیاء القرآن: ترجمہ سورہ مسد، آیت 1)

غور کیجیے کہ جب قرآنی بیان کے مطابق ابو لہب کے دونوں ہاتھ تباہ و برباد ہو چکے ہیں تو پھر اسے دودھ اور شہد پینے کے لئے ہاتھ اور انگلیاں کہاں سے نصیب ہو گئیں؟ اب کس کا بیان صحیح ہے.... مذکورہ روایت کا یا قرآن مجید کا؟

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت شرعی احکام کے بھی خلاف ہے، کیونکہ شریعت کی نظر میں بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان کا ارتکاب کرنے والے شخص کے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور اسے کسی بھی عمل کا کوئی فائدہ نہیں ملتا، مثلاً شرک اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کے بارے میں فرمایا:

"اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے، وہ سب اکارت ہو جاتے۔" (سورۃ الانعام:88)

بلکہ امام الانبیا ﷺ کے بارے میں بھی فرمایا:

"اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کا عمل بھی ضائع ہو جائے گا۔" (سورۃ الزمر:65)

اور اس میں کسی کو شک نہیں کہ ابو لہب نے شرک جیسے عظیم جرم کا ارتکاب کیا۔ اسی طرح ابو لہب نے کفر بھی کیا اور یہ جرم بھی اعمال کو برباد کر دیتا ہے ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جو ایمان کا منکر و کافر ہے، اس کے اعمال ضائع اور برباد ہیں۔" (سورۃ المائدہ:5)

اسی طرح ابو لہب نے اللہ کی وحی کو ناپسند کیا اور یہ جرم بھی اعمال کو برباد کر دیتا ہے ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :"یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں، پس اللہ نے ان کے اعمال ضائع و برباد کر دیے۔" (سورۃ محمد:9)

اسی طرح ابو لہب نے اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی کی ہے اور یہ جرم بھی اعمال کو برباد کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جن لوگوں نے کفر کیا، اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت ظاہر ہو چکی۔ یہ ہر گز ہر گز اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اللہ ایسے لوگوں کے اعمال برباد کر دے گا۔" (سورۃ محمد:32)

اسی طرح ابو لہب نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے آواز بلند کی ہے اور یہ جرم بھی اعمال کو برباد کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو، جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔" (سورۃ الحجرات:2)

غور کیجیے کہ مذکورہ جرائم میں سے جب صرف کسی ایک کے ارتکاب سے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں تو ابو لہب جیسا ملعون شخص تو ان سارے جرائم کا مرتکب ہے، ایسے بھیانک مجرم کی تو پہاڑ و سمندر جیسی نیکیاں بھی برباد ہو جائیں گی، چہ جائے کہ ایک

پل کی اظہارِ خوشی اسے کوئی فائدہ پہنچا سکے ! معلوم ہوا کہ شریعت کی رو سے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ابولہب کو اس کے کسی بھی عمل کا کوئی فائدہ پہنچ سکے، لہٰذا مذکورہ روایت صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت تاریخی حقیقت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ ابولہب نے آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا جبکہ تاریخی بیان یہ ہے کہ ابولہب نے ثویبہ کو آپ ﷺ کی پیدائش کے پچاس سال کے بعد آزاد کیا، حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

واعتقها أبولهب بعد ما هاجر النبي ﷺ إلى المدينة (الاستیعاب: 12/1)

"ابولہب نے اپنی لونڈی ثویبہ کو آپ ﷺ کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آزاد کیا۔"

علامہ ابوالفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی لکھتے ہیں:

"جب آپ ﷺ نے اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو ثویبہ ابھی تک لونڈی تھیں۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آتیں اور آپ ﷺ اور اُمّ المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے۔" (الوفا باحوال المصطفیٰ: 1/179، 178)

بلکہ اُمّ المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ ابولہب کی لونڈی ثویبہ کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو اُنھوں نے آپ ﷺ کی دل جوئی کی خاطر ابولہب سے ثویبہ کو خرید کر آزاد کرنا چاہا، لیکن ملعون ابولہب نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا اور جب آپ ﷺ مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے تب ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کیا۔ (الطبقات: 1/108، 109)

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے، لہٰذا یہ قطعاً صحیح نہیں۔

ثانیاً: مذکورہ خواب جس نے بھی دیکھا ہے، ظن غالب ہے کہ اسے کفر کی حالت میں دیکھا ہے اور غیر مسلم کا خواب تو درکنار شریعت میں اس کا بیان بھی حجت نہیں۔

ثالثاً: مذکورہ روایت میں جو واقعہ ہے، وہ شریعتِ اسلامیہ کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے اور شریعتِ اسلامیہ کے آنے کے بعد جب تورات، زبور اور انجیل جیسی آسمانی کتابیں ہمارے لیے حجت نہیں ہیں تو پھر ابولہب جیسے کافر و ملعون کا عمل ہمارے لیے کیسے حجت ہو سکتا ہے۔

رابعاً: مذکورہ روایت میں اگر میلاد کی دلیل ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ بھی اس پر عمل کرتے۔ عہدِ نبوی، عہدِ صحابہ اور اس کے بعد کے اَدوار میں اس پر عمل نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس روایت میں 'عیدِ میلاد' کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

غلط فہمی نمبر 4

کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ پیر کے دن روزہ رکھتے تھے اور اس بارے میں آپؐ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسی دن میری پیدائش ہوئی ہے اور اسی دن مجھے رسالت ملی ہے۔"

وضاحت

اوّلاً: اس حدیث سے عیدِ میلاد کے جواز کے بجائے اس کی تردید ثابت ہوتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا ہے اور اگر یہ عید کا دن ہوتا تو آپ ﷺ ہرگز ہرگز روزہ نہ رکھتے، کیونکہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ (صحیح بخاری: 1990) معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنی پیدائش کے دن روزہ رکھا ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی پیدائش کا دن 'عید میلاد' یا کسی بھی طرح کی عید کا دن نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً: آپ ﷺ نے اپنی ولادت کی تاریخ (9 یا 12 ربیع الاول) کو نہیں بلکہ ولادت کے دن (پیر) کو روزہ رکھا ہے، خواہ اس دن کوئی بھی تاریخ ہو یا یہ دن کسی بھی ہفتہ یا کسی بھی مہینہ میں ہو لہٰذا جو شخص پورے سال کو چھوڑ کر صرف ایک مہینہ اور اس میں بھی صرف ایک ہی ہفتے اور اس میں بھی صرف ایک ہی دن کو اہمیت دیتا ہے تو گویا کہ وہ آپ ﷺ کی سنت کی اصلاح کر رہا ہے اور یہ بہت بڑی جسارت ہے۔

ثالثاً: آپ ﷺ نے مذکورہ حدیث میں پیر کے دن روزہ رکھنے کے دو سبب بتلائے ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ اسی دن پیدا ہوئے اور دوسرا یہ کہ اس دن آپ ﷺ کو رسالت ملی، یہ دونوں چیزیں ایک ہی دن واقع ہوئی ہیں، لیکن دونوں کی تاریخ الگ الگ ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی ولادت 9 یا 12 ربیع الاول کو ہوئی اور آپ ﷺ کو رسالت 21/ رمضان کو ملی، لہٰذا اگر پیدائش کی تاریخ کو 'عید میلاد' منانا چاہیے تو رسالت کی تاریخ کو 'عید رسالت' بھی منانا چاہیے بلکہ اس پر تو زیادہ زور دینا چاہیے، کیونکہ رسالت ہی آپ ﷺ کی عظمت کا سبب ہے، نیز اس کا اقرار ہمارے کلمہ کا ایک حصہ بھی ہے! اور اگر 'عیدِ رسالت' منانا درست نہیں تو 'عید میلاد' منانا بھی غیر درست ہے۔

رابعاً: آپ ﷺ صرف پیر ہی کا روزہ علیحدہ طور پر نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جمعرات کا بھی روزہ رکھتے تھے، لہٰذا سنت کے آدھے حصّے کو اہم سمجھنا اور دوسرے آدھے کو فراموش کر دینا سنّتِ رسول کو بدلنا ہے اور یہ ناجائز ہے۔

خامساً: آپ ﷺ نے پیر کے دن روزہ رکھنے کی یہ وجہ بھی بتلائی ہے کہ اسی دن بندوں کے اعمال ربِّ جلیل کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ (جامع ترمذی: 747)

ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت پیر کے دن کو حاصل ہے نہ کہ 12 ربیع الاول کی تاریخ کو، کیونکہ یہ تاریخ تو ہر سال پیر کے علاوہ دوسرے دنوں میں پڑتی رہتی ہے بلکہ بسااوقات یہ تاریخ جمعہ کو بھی آجاتی ہے، اب جس وجہ سے آپ ﷺ پیر کا روزہ رکھتے تھے (یعنی اعمال کا بار گاہِ الٰہی میں پیش ہونا) یہ وجہ جمعہ کے دن ہر گز نہیں پائی جاتی نیز جمعہ کے دن خصوصی روزہ رکھنا بھی حرام ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ روزہ رکھنے میں پیر کے دن کا اہتمام کرتے تھے نہ کہ کسی تاریخ کا، خواہ اس میں کوئی بھی دن آئے، پس دن کو چھوڑ کر تاریخ کا اہتمام کرنا سنّتِ رسول کے سراسر خلاف ہے۔

سادساً: آپ ﷺ نے اپنی پیدائش کے دن جو عمل کیا ہے، وہ ہے: "روزہ رکھنا" لیکن عید میلاد میں اس کے بالکل خلاف عمل ہوتا ہے۔ میلاد منانے والے نہ صرف یہ کہ روزہ نہیں رکھتے بلکہ اس دن وہ کھانے کا جو اہتمام کرتے ہیں، ایسا شاید ہی کسی اور دن ہو۔ اب سوچیے کہ یہ آپ ﷺ سے محبت ہے یا آپ ﷺ سے عداوت ہے۔

سابعاً: مذکورہ روایت میں اگر میلاد کی دلیل ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ بھی اس پر عمل کرتے۔ عہدِ نبوی، عہد صحابہ اور اس کے بعد کے ادوار میں اس پر عمل نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس روایت میں 'عید میلاد' کی دلیل نہیں ہے۔

غلط فہمی نمبر 5

کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ یوم عاشورا کا روزہ رکھتے تھے اور اس کا حکم بھی فرماتے تھے، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دلائی تھی اور ہمیں بالاولیٰ چاہیے کہ آپ ﷺ کی ولادت کے بابرکت دن کا روزہ رکھیں۔

وضاحت

اوّلاً: اس حدیث سے بھی عید میلاد کے جواز کے بجائے اس کی تردید ثابت ہوتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے موسیٰ کی فتح کے دن روزہ رکھا ہے، عید نہیں منائی ہے۔ کیونکہ اگر عید مناتے تو آپ ﷺ اس دن ہر گز ہر گز روزہ نہ رکھتے، اس لیے کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ (صحیح بخاری:1990)

غور کیجیے کہ آپ ﷺ تو روزہ رکھیں اور ہم عید منائیں۔ یہ آپ ﷺ کی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟

ثانیاً: آپ ﷺ نے عاشورا کے روزہ کی فضیلت میں موسیٰ کی فتح کا حوالہ دیا ہے، نہ کہ موسیٰ کی پیدائش کا۔ اب یوم فتح کا یوم پیدائش سے کیا تعلق؟ غور کیجیے کہ جس طرح فرعون سے نجات، موسیٰ کی فتح ہے، اسی طرح فتح مکہ بھی آپ ﷺ کی عظیم فتح ہے، لیکن اس مماثلت کے باوجود بھی فتح مکہ کے دن ایسا کوئی اہتمام جائز نہیں ہے، تو پھر یوم پیدائش جس کا اس حدیث سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اس کا جواز اس حدیث سے کیونکر نکل سکتا ہے؟

ثالثاً: آپ ﷺ کے عاشورا کا روزہ رکھنے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ اس دن موسیٰ کی فتح ہوئی ہے بلکہ آپ ﷺ مکہ میں شروع ہی سے عاشورا کا روزہ رکھتے چلے آ رہے تھے، البتہ جب مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے اس کا تاکیدی حکم صادر فرما دیا اور جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا، البتہ اس کے استحباب کو آپ ﷺ نے باقی رکھا۔ (صحیح بخاری:2002:2004)

معلوم ہوا کہ عاشورا کے روزہ کی اصل وجہ موسیٰ کی فتح نہیں تھی، البتہ آپ ﷺ نے اس روزہ کی فضیلت میں یہ بات بھی شامل کر لی تھی۔

رابعاً: آپ ﷺ نے صحابہ کے مشورے پر یہ تعلیم بھی دی کہ یوم عاشورا کے ساتھ ساتھ ایک دن کا روزہ اور رکھا جائے تاکہ یہود کی مشابہت نہ ہو۔ (صحیح مسلم:1334)

غور کیجیے کہ جب اس حدیث میں مذکور اصل سنت ایک دن کی نہیں ہے تو اس حدیث سے ایک روزہ عید میلاد کا ثبوت کہاں سے نکل سکتا ہے جس کا اس حدیث سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔

خامساً: دلچسپ بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں جو اصل تعلیم ہے وہ ہے عاشورا کے دن روزہ رکھنا، لیکن افسوس ہے کہ میلاد منانے والوں نے بڑی بے دردی سے اس سنت کا گلا گھونٹ دیا ہے، چنانچہ جب محرم میں عاشورا کا یہ دن آتا ہے تو یہ لوگ اس دن روزہ رکھنے کے بجائے کھانے پینے کا کچھ زیادہ ہی اہتمام کرتے ہیں بلکہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر شربت پلاتے ہیں اور اس دن اُنہیں یہ حدیث یاد نہیں آتی، بلکہ یاد دلانے پر بھی اس طرف متوجہ نہیں ہوتے، لیکن حیرت ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں یہی حدیث اُن کی نظر میں بہت اہم ہو جاتی ہے، حالانکہ اس مہینے سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے!

سوال یہ ہے کہ جن کی نظر میں مذکورہ حدیث کی اصل تعلیم قابل عمل نہیں ہے، وہ اسی حدیث سے دیگر چیزیں ثابت کرنے کی جرات کیسے کرتے ہیں۔

سادساً: مذکورہ روایت میں اگر میلاد کی دلیل ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ بھی اس پر عمل کرتے۔ عہد نبوی، عہد صحابہ اور اس کے بعد کے اَدوار میں اس پر عمل نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس روایت میں 'عید میلاد' کی دلیل نہیں ہے۔

☆☆☆

المعروف کی اصطلاح قرآن مجید میں مختلف مناسبتوں سے استعمال ہوئی ہے، عقائد، عبادات، دعوت وارشاد، معاملات اخلاقیات وغیرہ وغیرہ ہر معاملہ میں معروف کی اہمیت ہے، اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، ان میں سے ایک اہم مسئلہ عائلی زندگی ، ازدواجی تعلقات کے استحکام میں اسے نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ خوشحال زندگی اور پُر رونق خاندان اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اچھی فیملی شوہر، بیوی، اولاد، پوتے، نواسے وغیرہ قدرت کی ایک اعلیٰ نشانی ہے۔

﴿ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ﴾

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی جوڑے بنائے اور ان جوڑوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمہیں عمدہ کھانے دیے، کیا لوگ پھر بھی باطل پر ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے۔"(سورۃ النحل:72)

پرسکون گھرانہ سے ہی انسان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ تکمیل پاتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی اس حیثیت کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا۔

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾(سورۃ الرعد:38)

"ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا۔" یعنی ان کا خاندان قبیلہ اور بیوی بچے تھے۔

قرآنی تعلیمات کے مطابق مثالی جوڑا وہ ہے جسے ایک دوسرے کے ذریعہ سکون حاصل ہو، ان کے درمیان محبت اور رحمت ہو۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (سورۃ الروم:21)

"اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم آپس میں سکون پاسکو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کی۔ غوروفکر کرنے والوں کے لیے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔"

اس نعمت کے حصول کے لیے سیرت و سنت نبوی ﷺ میں انسان کے لیے عملی زندگی کا روڈ میپ دیا گیا اور ساتھ ہی کامیابی کے لیے دعا بتلائی گئی:

﴿ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾

"اے ہمارے پروردگار تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی سکون عطا فرما اور ہمیں متقی لوگوں کا پیشوا بنادے۔"(سورۃ الفرقان:74)

مذکورہ نعمت عظمیٰ اور کامیابی کے حصول کے لیے تعلیمات نبوی میں وضاحت سے رہنمائی کی گئی، شریک زندگی کے انتخاب کا معیار عقد نکاح، رخصتی اور ازدواجی زندگی کے مختلف مرحلوں میں معروف پر عمل کیا جائے گا تو اس کے اعلیٰ ثمرات ہر موڑ پر دیکھنے میں آئیں گے۔

معیار انتخاب: لڑکی یا لڑکے کے انتخاب میں لوگ اپنے ذہنی رجحان کے مطابق ترجیح دیتے ہیں، کسی کی نظر میں کامیاب زندگی کا معیار مال ومتاع ہے، تو کہیں حسن وخوبصورتی کو اہمیت دی جاتی ہے تو کسی کی نگاہ میں خاندانی جاہ و جلال کی عظمت ہوتی ہے تو کوئی اخلاق وسیرت کی پختگی کو ترجیح دیتا ہے، ہادی برحق ﷺ کی ہدایت ہے کہ سیرت و کردار پر توجہ مرکوز کیجیے:

«تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»(صحیح بخاری: 5090؛ صحیح مسلم: 1466)

یہی اصول لڑکے کے انتخاب میں بھی پیش نظر رہے۔

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع ترمذی: 1084)

انتخاب کے مسئلہ میں معروف پر عمل کرنے کا مطلب ذاتی اخلاق اور کردار کو ترجیح دینا ہے، اس کے ساتھ اگر دیگر اچھی صفات بھی پائی جائیں تو یہ اضافی فائدہ سونے پر سہاگہ ہوگا۔

اسلام کی نظر میں باکردار خاتون کا وزن اتنا زیادہ ہے کہ وہ دنیا کی گراں مایہ پونجی شمار ہوتی ہے۔

«الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ»

اس کے ناتواں کندھوں سے ذمہ داریوں کا بوجھ بھی کم کردیا گیا، کوئی خاتون پانچ نمازوں کی پابندی کرے، رمضان کے روزے رکھے، عفت وعصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے وہ کسی بھی دروازہ سے جنت میں داخل ہوسکے گی۔

«إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا، وَصَامَتْ شَهْرَهَا، وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا، وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا، قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ»(مسند احمد:1661)

کوئی بھی مسلمان خاتون مذکورہ باتوں پر عمل کرکے جنت کی مستحق ہوسکتی ہے جو کہ حقیقی اور بڑی کامیابی ہے۔

بروقت شادی: نوجوانوں کو بروقت شادی کرنے کی

ترغیب دی گئی، یہ معروف کے ساتھ جوانی کے ایام گذارنے کے لیے ضروری ہے، ورنہ شادی میں تاخیر مختلف منکرات کا سبب بنے گی، اس سے جسمانی، ذہنی، اخلاقی، طبی انفرادی اور اجتماعی نقصانات مرتب ہوں گے۔

شادی کے مختلف مراحل میں اعتدال

شادی کے مختلف مراحل میں معروف پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، اس میں طرفین کی آسانی کا پاس ولحاظ رکھا جائے، بیجا رسومات، فخر ومباہات، فضول خرچی، ریاکاری اور منکر کی بدترین مثالیں ہیں۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ خیر وبرکت والی عورتیں وہ ہیں جن پر مالی بوجھ کم سے کم ہو۔

« إنّ أعظمَ النِّساءِ برَكةً أيسرَهنّ صداقًا» (مسند احمد:6/145)

اخراجات کے مسئلہ میں اعتدال پر عمل ضروری ہے۔

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴾(سورۃ الفرقان:67)

مہر میں اعتدال

مہر کے مسئلہ میں غلو کو ناپسند کیا گیا، یہ نہ لڑکی کی قیمت ہے اور نہ ہی معاوضہ یا خاندانی وجاہت کا ذریعہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر بھاری مہر خاندانی شرافت اور اللہ کے ہاں تقویٰ کی علامت ہوتا تو خاتم النبیین ﷺ اس پر بدرجہ اولیٰ عمل فرماتے، لیکن آپ ﷺ نے ایسے نہیں کیا۔

« لَا تُغَالُوا صَدَاقَ النِّسَاءِ، فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا، أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللهِ، كَانَ أَوْلَاكُمْ وَأَحَقَّكُمْ بِهَا مُحَمَّدٌ ﷺ» (سنن ابن ماجہ:1887)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ رکھا جو کہ پانچ سو درہم بنتے ہیں۔

«كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: «كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا»، قَالَتْ: «أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟» قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَتْ:«نِصْفُ أُوقِيَّةٍ، فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ» (صحیح مسلم:1426)

دربار رسالت ﷺ میں ضرورت پر مہر کے لیے ایک لوہے کی انگوٹھی بھی قابل قبول قرار دی گئی اور اگر وہ بھی میسر نہ ہو تو جو کچھ لڑکے کو قرآن مجید کا حصہ حفظ ہے وہی دلہن کو سکھا دیا جائے تو اتنی محنت بھی بطور مہر قابل قبول ہے۔

«انْظُرْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ»زَوَّجْتُكَها بما معكَ مِنَ القُرْآنِ(صحیح بخاری: 5132)

یعنی شادی کو آسان سے آسان بنا دیا گیا تاکہ معروف پر عمل کرتے ہوئے کسی بھی مرحلہ میں دشواری نہ ہو۔

مال و دولت میں قلت یا کثرت بجائے خود معیار نہیں۔ اگر انتخاب کے مسئلہ میں ہدایت نبوی ﷺ پر عمل کیا جائے تو مالی حالات بدل سکتے ہیں۔

﴿إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِن فَضْلِهِ﴾(سورۃ النور:32)

تفسیر ابن ابی حاتم میں آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حکمت سے پر بات درج کی گئی کہ اگر تم شادی کی انجام دہی میں حکم الٰہی پر عمل کروگے تو قادر مطلق خوشحالی کے دروازے کھول دے گا۔(تفسیر ابن ابی حاتم)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے لکھا کہ نکاح کے ذریعہ تم تونگری تلاش کرو۔(تفسیر ابن جریر: 9/311)

معروف کے ساتھ نکاح کرنے والوں کے لیے نصرت الٰہی کی نوید ہے، ان میں سے ایک ایسا شخص جو عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے نکاح کرے۔

«والناكحُ يريدُ العفافَ» (جامع ترمذی: 1655)

رشتہ طلب کرنے میں پہل

صاحب کردار نوجوان لڑکی یا لڑکے کے انتخاب میں اولیاء امور کو پہل کرنا چاہیے، مقامی رواج کے تقاضے کچھ بھی ہوں عموماً لڑکی والے منتظر ہوتے ہیں کہ رشتہ طلب کرنے میں لڑکے کے ذمہ داران پہل کریں ورنہ شاید لڑکی کی اہمیت گھٹ جائے گی۔ یہ ایک بناوٹی اصول ہے اور بے جا تکلف ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کردار کی عظمت کا نمونہ سامنے آتے ہی مرد صالح سیدنا شعیب علیہ السلام نے خود ہی پہل کرتے ہوئے اپنی بیٹی کی شادی کی پیشکش کی۔

﴿قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ ﴾ (سورۃ القصص:27)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کیلیے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے تجویز رکھی، لیکن بعد میں وہ سید المرسلین ﷺ کے عقد نکاح میں آکر امہات المؤمنین کی فہرست میں شامل ہوئیں۔

لڑکا اور لڑکی کی رضامندی

معروف کے ساتھ رشتہ طے کرنے میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ عموماً لڑکے کی رضامندی پر توجہ دی جاتی ہے لیکن لڑکی کی مرضی معلوم کرنے کی کوشش کم کی جاتی ہے بلکہ بعض گھرانوں میں اس کو نظر انداز ہی کر دیا جاتا ہے، یہ ایک معاشرتی منکر ہے اور لڑکی کو دیئے گئے شرعی حق میں دست درازی ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اس سلسلہ میں بہت واضح ہے۔

لا تُنْكَحُ الأيِّمُ حتّى تُسْتَأْمَرَ، ولا تُنْكَحُ البِكْرُ حتّى تُسْتَأْذَنَ (صحیح بخاری: 6970)

شادی شدہ عورت سے (مطلقہ یا بیوہ) نکاح کے لیے مشورہ کیا جائے گا اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا۔

اگر لڑکی یتیم ہو تو اس کی درماندگی کا استحصال کرتے ہوئے اس کو حاصل شرعی حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

الْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا فَإِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ إِذْنُهَا وَإِنْ أَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَيْهَا (جامع ترمذی: 1109)

اجازت لینے اور مرضی معلوم کرنے کے عرف عام میں کئی طریقے متداول ہیں، ان میں سے کسی پر عمل کیا جا سکتا ہے لیکن اجازت ضروری ہے۔

لیکن دیکھا جاتا ہے کہ بعض گھرانوں میں زبردستی کی شادی عام سی بات ہے، اس زبردستی کی شادی کے بھیانک نتائج اور منکر اثرات سے ہر باشعور واقف ہو گا۔

لڑکی کا رشتہ معروف کے ساتھ طے کرنے میں مزید رہنمائی کی گئی کہ اس کی ماں سے مشورہ کر لیا کرو، کیونکہ لڑکیاں اس موضوع پر باپ کے مقابلے میں ماں کے ساتھ زیادہ بے تکلفی سے گفتگو کر سکتی ہیں۔

«آمِرُوا النِّسَاءَ فِي بَنَاتِهِنَّ» (سنن ابو داؤد: 2095)

گویا لڑکی سے اجازت خانہ پری کے طور پر نہیں بلکہ اسے پسند اور رضامندی کے اظہار کا موقع دیا جا رہا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر شادی کو ناپسند کیا گیا، یہ ایک منکر ہے، جس کے نقصانات شادی کے بعد بھی دیکھے جاسکتے ہیں، جبر واکراہ کی شادی تو قابل قبول ہی نہیں، یہ ایک منکر عمل ہے، جسے اسلام نے سخت ناپسند کیا ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں ایک خاتون خنساء بنت خدام کا نکاح ان کے والد نے ان کی اجازت کے بغیر کر دیا، انہوں نے اس کی شکایت رسول ﷺ سے کی، آپ ﷺ نے اس نکاح کو مسترد فرمادیا۔

زَوَّجَهَا أَبُوهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ نِكَاحَهُ (جامع ترمذی: 1108)

ایک کنواری لڑکی کا نکاح جب اس کی مرضی کے بغیر کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو اختیار دیا کہ چاہو تو باپ کے فیصلہ کو قبول کر لو، ورنہ رد کر دو، گویا اجازت کے بغیر کی جانے والی شادی فسخ کرنے کا اختیار دلہن کو دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر اس دلہن نے کہا کہ والد کے کئے ہوئے نکاح کو قبول کرتی ہوں لیکن میں نے چاہا کہ ایسا قانون بن جائے کہ کوئی باپ اپنے اختیارات کا غلط فائدہ نہ اٹھا سکے۔

أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي، وَلَكِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ إِلَى الْآبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (سنن ابن ماجہ: 1874)

دیکھا گیا کہ اس مسئلہ میں بعض اوقات افراط و تفریط کا مظاہرہ ہوتا ہے، ایک طرف لڑکی کی پسند کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے تو دوسری طرف ولی اور سرپرست کی اجازت کی اہمیت نہیں، یا شادی سے پہلے ہی دوستی، سیر و تفریح پھر شادی کا فیصلہ نکاح سے پہلے ایک مرتبہ دیکھنے کی اجازت ہے لیکن گل چھرے اڑانے اور مٹر گشتی کی اجازت نہیں، یہ دونوں منکرات ہیں۔

اگر ابتدائی مراحل سے آخر تک یعنی رخصتی تک معروف پر عمل کیا جائے تو آئندہ زندگی میں بھی معروف نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے، ازدواجی زندگی میں معروف کے تقاضوں پر عمل کرنے میں دونوں کو آسانی ہو گی۔ جس کا حکم دیا گیا کہ رشتوں کے مسئلہ میں تم تقویٰ شعاری کو اپناؤ۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورۃ النساء: 1)

”اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔“

اللہ کا نام لے کر اور دین کا حوالہ دے کر جس رشتہ کو حلال کر لیا گیا، اس کے کچھ تقاضے اور ذمہ داریاں بھی ہیں، ان کی بابت دونوں عند اللہ جواب دہ ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بہت ہی واضح ہے:

فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ (صحیح مسلم: 1218)

شوہر اور بیوی دونوں کی اپنے اپنے دائرہ میں معروف کے ساتھ کچھ ذمہ داریاں ہیں، لہٰذا کوئی اپنی طاقت کا غلط استعمال نہ کرے، دونوں ایک دوسرے کے لیے ضروری اور تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے گویا لباس کی طرح ہیں۔

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (سورۃ البقرہ: 187)

اور فرمایا: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (سورۃ البقرہ: 228)

”عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے ہیں۔“

مردوں کو خصوصیت کے ساتھ حکم دیا گیا کہ معروف کے ساتھ برتاؤ کرو، عورت اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے نسبتاً کمزور واقع ہوئی ہے، کبھی جذبات کی رو میں بہہ کر کمزور فیصلے کر سکتی ہے، یہاں چشم پوشی سے کام لینے کا حکم دیا گیا۔ عورت کو پسلی سے تشبیہ دی گئی جو کہ قدرے ٹیڑھی ہوتی ہے، اس کو سیدھا کرنے کے بجائے اسی حالت میں رکھتے ہوئے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس کی کسی غلطی یا کوتاہی کو نظر انداز کیا جائے تو ممکن ہے، اس میں پائی جانے والی بہت سی خوبیوں سے زندگی کی رونقیں دوبالا ہو جائیں۔

معروف کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کی نگاہیں مثبت پہلوؤں پر ہوں، کمزوریاں از خود عفو ودر گزر کی چادر میں ڈھک جائیں گی۔

ازدواجی زندگی میں منکر نتائج سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ زبان کی حفاظت کی جائے، ایک دوسرے کے عیوب کا منفی اسلوب میں تذکرہ نہ کیا جائے، چاہے وہ قد و قامت کے بارے میں ہو یا شکل وصورت کے متعلق، ایک دوسرے کے احباب خاندان کی عیب جوئی سے پرہیز کیا جائے، آپس میں اہانت آمیز رویہ نہ اختیار کیا جائے، یہ سب منکرات ہیں جن سے خوشگوار زندگی داغدار ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں ہدایات ربانی اور ارشادات نبوی ﷺ کو مذاق نہ سمجھو۔

﴿وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا﴾ (سورۃ البقرہ: 231)

ورنہ خاندانی نظام تباہ ہو جائے گا اور افراد خاندان منکر کے دلدل میں دھنستے چلے جائیں گے۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلىٰ آله وصحبه أجمعين وبعد!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿مَّا خَطِيٓـَٰٔتِهِمْ أُغْرِقُواْ فَأُدْخِلُواْ نَارًا فَلَمْ يَجِدُواْ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَنصَارًا﴾

"یہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈبو دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مدد گار انہوں نے نہیں پایا۔"(سورۃ نوح : 25)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اچھے اعمال کے دنیا و آخرت میں نیک جزاء اور اچھے اثرات رکھے ہیں اسی طرح گناہوں اور بُرے اعمال کے بھی دنیا و آخرت میں بُرے اثرات رکھے ہیں ۔ درج ذیل میں انسان کی زندگی پر گناہوں اور بُرے کاموں کے چند بُرے اثرات کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

رزق میں تنگی

انسان کی زندگی پر گناہوں کے دنیاوی نقصانات میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے انسان کی معاشی زندگی پریشان کن ہو جاتی ہے ، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتا ہے جن کی زندگی گناہوں میں ملوث ہو ، بلکہ ایسے لوگوں کے لیے زندگی کی پریشانیوں سے نکلنے کا راستہ تک مسدود فرما دیتا ہے۔ حصولِ رزق اور فراخئ معاش کے لیے ترکِ گناہ سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّه مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾(سورۃ الطلاق : 2۔3)

" جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور گناہوں سے باز آجاتا ہے، اللہ اُس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جہاں اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔"

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْراً﴾

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی کر دے گا۔" (سورۃ الطلاق : 4)

ان دونوں آیتوں کا مفہوم یہ ہوا کہ جو اللہ سے نہیں ڈرتا اور برائیوں کا ارتکاب کرلیتا ہے تو اس کی معاشی زندگی پریشان کن ہو جاتی ہے اور اس کی روزی اور رزق میں تنگی آجاتی ہے۔

رزق سے محرومی

گناہوں کے دنیاوی نقصانات میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ رزق سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَزِيدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ»

"بھلائی عمر کو زیادہ کر دیتی ہے اور تقدیر کو سوائے دعا کے کوئی چیز نہیں لوٹاتی، اور آدمی (حلال) رزق سے اپنی اس گناہ کی وجہ سے محروم کر دیا جاتا ہے جس کو وہ کر بیٹھتا ہے۔" (سنن ابن ماجہ:2022؛ علامہ البانی اس روایت کو حسن کہا ہے؛ مسند احمد:5/277)

نعمتوں کا زوال

گناہوں کے نقصانات میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مختلف نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے، اور مختلف مصائب اور پریشانیوں کے نزول کا سبب بنتا ہے، لہٰذا اگر اللہ نے آپ کو اپنی کسی نعمت سے نوازا ہے تو اس کی حفاظت کریں، نعمتوں کا دوام اور حفاظت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اور نیک کاموں کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

﴿وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ (سورۃ النحل : 112)

"اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن و اطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے پاس بافراغت ہر جگہ سے چلی آرہی تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا۔"

بیماریوں اور پریشانیوں کا نزول

گناہوں کے دنیاوی نقصانات میں سے ایک یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے دنیا میں کہیں زلزلے، کہیں طوفان، کہیں شدید سیلاب، کہیں شدید قحط، کہیں بھوک، کہیں رزق میں بے برکتی، کہیں آسمانی بلائیں، کہیں وبائیں اور کہیں لاعلاج بیماریاں نازل ہوتی ہیں یہ سب ہمارے گناہوں اور اپنے اعمال کے سبب ہیں۔ ہم جس قدر شدید گناہ کرتے ہیں اسی قدر شدید قہر الٰہی نازل ہوتا ہے اور ایسی بیماریوں میں ہم گرفتار ہوتے ہیں جن کا علاج میسر نہیں ہوتا اور نشان عبرت بنے دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا:

«يا مَعْشَرَ المهاجرينَ ! خِصالٌ خَمْسٌ إذا ابتُلِيتُمْ بهِنّ ، وأعوذُ باللهِ أَن تُدْرِكُوهُنّ: لم تَظْهَرِ الفاحشةُ في قومٍ قَطُّ؛ حتى يُعْلِنُوا بها؛ إلّا فَشَا فيهِمُ الطاعونُ والأوجاعُ التي لم تَكُنْ مَضَتْ في أسلافِهِم الذين مَضَوْا ، ولم يَنْقُصُوا المِكْيالَ والميزانَ إلّا أُخِذُوا بالسِّنِينَ وشِدّةِ المُؤْنَةِ ، وجَوْرِ السلطانِ عليهم ، ولم يَمْنَعُوا زكاةَ أموالِهم إلا مُنِعُوا القَطْرَ من السماءِ ، ولولا البهائمُ لم يُمْطَرُوا ، ولم يَنْقُضُوا عهدَ اللهِ وعهدَ رسولِه إلا سَلّطَ اللهُ عليهم عَدُوّهم من غيرِهم ، فأَخَذوا بعضَ ما كان في أَيْدِيهِم ، وما لم تَحْكُمْ أئمتُهم بكتابِ اللهِ عَزّ وجَلّ ويَتَخَيّرُوا فيما أَنْزَلَ اللهُ إلا جعل اللهُ بأسَهم بينَهم»

”اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور میں اللہ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ، کسی بھی قوم میں جب کھلے عام گناہ ہوتا ہے تو ان میں طاعون اور بھوک کی ایسی بیماریاں جنم لیتی ہیں جو ان کے پہلے لوگوں میں نہیں ہوئی ہوتیں، اور جب کوئی قوم پیمانہ اور تول کم کر دیتی ہے تو انہیں قحط، سخت مشقت اور ظالم بادشاہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور جب کوئی قوم اپنے مال کی زکاۃ روک لیتی ہے تو آسمان سے بارش رک جاتی ہے، اگر جانور نہ ہوں تو انہیں پانی کا ایک قطرہ نہ ملے، اور جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول کا عہد توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے علاوہ کوئی دوسرا دشمن مسلط کر دیتا ہے، تو وہ ان کے ہاتھوں میں جو کچھ ہوتا اس میں سے کچھ چھین لیتے ہیں۔ اور جب کسی قوم کے حکمران اللہ کی کتاب سے فیصلے نہیں کرتے اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کو اختیار نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ انہیں آپس کے اختلافات میں مبتلا کر دیتا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ بسند صحیح؛ السلسلۃ الصحیحۃ: 106)

مال و دولت میں بے برکتی

گناہوں کے دنیاوی نقصانات میں سے ایک یہ ہے کہ گناہ گار کے کاموں سے برکت وسہولت اٹھالی جاتی ہے، جب کہ فرماں برداروں کے لیے کام یابی کی راہیں کھول دی جاتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْبَيِّعانِ بالخِيارِ ما لَمْ يَتَفَرّقا، فإنْ صَدَقا وبَيّنا بُورِكَ لهما في بَيْعِهِما، وإنْ كَذَبا وكَتَما مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِما»

”بیچ کرنے والے دونوں فریقوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں۔ اگر وہ دونوں سچ بولیں اور حقیقت کو واضح کریں تو ان کی بیع میں برکت ڈالی جاتی ہے، اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور (عیب وغیرہ) چھپائیں تو ان کی بیع سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔“ (صحیح بخاری: 2079 ؛ صحیح مسلم:1532)

جو کوئی خرید وفروخت میں جھوٹ بولے تو اس کو مال میں بے برکتی کی سزا دی جاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ اَلنّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَ، أَدّى اَللّهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَهَا يُرِيدُ إِتْلَافَهَا، أَتْلَفَهُ اَللّهُ »(صحیح بخاری:2387)

”جو کوئی لوگوں کا مال قرض کے طور پر ادا کرنے کی نیت سے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف سے ادا کرے گا اور جو کوئی نہ دینے کے لیے لے، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو تباہ کر دے گا۔ یعنی اس کے مال اور معیشت میں نقصان اور خسارہ واقع ہو جاتا ہے۔“

ماتحتوں کی نافرمانی

گناہوں کے دنیاوی نقصانات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کے نافرمان کو اپنے ماتحتوں کی نافرمانی کا صدمہ دیکھنا پڑتا ہے۔ گناہ گار کے خلاف اللہ کی نافرمان مخلوق جرأت مند ہو جاتی ہے، وہ اسے تکلیف اور ایذا دیتی ہیں، پھر شیطان بھی جری اور دلیر ہو جاتے ہیں اور انسانی شیطان بھی جری ہو جاتے ہیں۔ گھر کے لوگ، خدام، نوکر چاکر، بیوی اور اولاد اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ اس کا نفس بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو نفس سرکش ہو جاتا ہے۔ اللہ کی اطاعت ایک مضبوط قلعہ ہے۔ جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے، وہ ایک مضبوط قلعہ میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے باہر نکلتا ہے، ڈاکو رہزن اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔

مشہور امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ما عملت ذنباً إلا وجدته في خلق زوجتي ودابتي."

”کہ جب کبھی مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو اس کا اثر میں اپنی بیوی اور اپنے جانوروں میں محسوس کر لیتا کہ وہ پوری طرح میرے فرماں بردار نہیں رہتے۔“ (حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم: 8/109؛ وتاریخ دمشق لابن عساکر: 48/ 383)

لوگوں میں قابل نفرت بن جانا

گناہوں کے دنیاوی نقصانات میں سے ایک یہ ہے کہ گناہ کی وجہ سے انسان لوگوں کی نظروں میں ناپسندیدہ اور باعث نفرت بن جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

«إنّ اللهَ إذا أَحَبّ عَبْدًا دَعا جِبْرِيلَ فقالَ: إنِّي أُحِبُّ فُلانًا فأحِبّهُ، قالَ: فيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، ثُمّ يُنادِي في السّماءِ فيَقولُ: إنّ اللهَ يُحِبُّ فُلانًا فأحِبُّوهُ، فيُحِبُّهُ أهْلُ السّماءِ، قالَ ثُمّ يُوضَعُ له القَبُولُ في الأرْضِ، وإذا أبْغَضَ عَبْدًا دَعا جِبْرِيلَ فيَقولُ: إنِّي أُبْغِضُ فُلانًا فأبْغِضْهُ، قالَ فيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ، ثُمّ يُنادِي في أهْلِ السّماءِ إنّ اللهَ يُبْغِضُ فُلانًا فأبْغِضُوهُ، قالَ:

فَيُبْغِضُونَهُ، ثُمّ تُوضَعُ له البَغْضاءُ في الأرْضِ» (صحیح مسلم:2637)

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے: میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، کہا: تو جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں، پھر وہ آسمان میں آواز دیتے ہیں، کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں، کہا: پھر اس کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بُلا کر فرماتا ہے: میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں، تم بھی اس سے بغض رکھو، تو سیدنا جبرئیل علیہ السلام اس سے بغض رکھتے ہیں، پھر وہ آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے بغض رکھتا ہے، تم بھی اس سے بغض رکھو، کہا: تو وہ (سب) اس سے بغض رکھتے ہیں، پھر اس کے لیے زمین میں بھی بغض رکھ دیا جاتا ہے۔"

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ورأيت أقواما من المنتسبين إلى العلم، أهملوا نظر الحق-عز وجل-إليهم في الخلوات، فمحا محاسن ذكرهم في الجلَوات، فكانوا موجودين كالمعدومين، لا حلاوة لرؤيتهم، ولا قلب يحن إلى لقائهم"

"اور میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو علم سے وابستہ تھے لیکن انہوں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ اللہ تعالیٰ علیحدگی اور خلوت میں کیے جانے والے بد اعمالیوں پر بھی نظر رکھتا ہے، چنانچہ اللہ نے دنیا میں ان علماء کے ذکر خیر کو مٹا دیا، تو گویا ان علماء کا دنیا میں موجود ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ کیونکہ ان کے خلوت میں کی جانے والی برائیوں کی وجہ سے اللہ نے ان کے وقار، عزت اور حیثیت ختم کر دی، چنانچہ ایسی کیفیت ہو جاتی ہے کہ دل میں نہ ان علماء کو دیکھنے کی مٹھاس باقی رہتی ہے، اور نہ ان سے ملنے کی تڑپ رہتی ہے۔"

(ابن الجوزي في صيد الخاطر: ص128۔ 129)

گناہ گار اہلِ دنیا کے لیے باعثِ تکلیف

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ مُرّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ قَالُوا يَا رَسُولَ الله مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشّجَرُ وَالدّوَابُّ

"سیدنا قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ نے فرمایا: آرام پانے والا ہے یا اس سے آرام ملنے والا ہے۔ انھوں (صحابہ) نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آرام پانے والا یا جس سے آرام ملنے والا ہے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: بندہ مومن دنیا کی تکالیف سے آرام پاتا ہے اور فاجر بندے (کے مرنے) سے لوگ شہر درخت اور حیوانات آرام پاتے ہیں۔" (صحیح النسائی: 1929)

شیطان کا مسلط ہونا

گناہوں کے دنیاوی نقصانات میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے والے پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرّحْمٰنِ نُقَيّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ 0 وَإِنّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنّهُم مُّهْتَدُونَ 0 حَتّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ﴾ (سورۃ الزخرف: 36۔38)

"جو شخص رحمٰن کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ وہ شیطان اس کے ساتھ رہنے والا ہوتا ہے، یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں، اور وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ سیدھی راہ پر چل رہے ہیں۔ قیامت کے روز انسان اس شیطان سے ان الفاظ میں شکایت کرے گا: کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی، تُو تو بدترین ساتھی نکلا۔"

گناہ شیطان کا لشکر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ شیطان انسان کے ساتھ اس طرح ہوتا ہے جیسے خون چلتا ہے بلکہ اس پر مزید یہ کہ انسان سوتا ہے، شیطان نہیں سوتا۔ انسان غافل ہو جاتا ہے لیکن شیطان غافل نہیں ہوتا۔ انسان شیطان کو نہیں دیکھتا، البتہ شیطان اور اُس کا کنبہ اُسے وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے انسان نہیں دیکھتے۔ شیطان اللہ کے خلاف ہمیں ورغلاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری لعنت، پھٹکار اور رحمتِ خداوندی سے دوری کا اصل سبب ہی شیطان ہے جو انسان کو جہنم کا ساتھی بنا دینا چاہتا ہے۔

آج یہ زمینی آفتیں، زلزلے، خودکش حملے، سیلاب کی ہلاکتیں، یہ بے بس کر دینے والی وبائی بیماریاں، یہ ظالم حکمران، یہ کمر توڑتی مہنگائی، یہ لسانی عصبیت، یہ انسانوں کا ذہنی انتشار، یہ بے سکونی، یہ ناعاقبت اندیش حکمران طبقہ، یہ رشوت خور اور سود خور ٹولہ، ڈکیتیاں اور وارداتیں کرتے یہ انسان اور قتل و غارت گری سے کہرام مچتے گھر ان باتوں کا ثبوت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو گئے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی جہنم سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ یہ سب ہمارے کرتوت اور شامتِ اعمال ہیں، کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے اوامر کی حکم عدولی اور نواہی کو مذاق بنانا اپنا وطیرہ بنا لیا ہے۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے ترقی کی راہ میں حائل اور مخالفت کو ماڈرن ازم کا نام دے دیا ہے۔ موجودہ دور دین سے سرکشی کا دور ہے، معصیت کا دور ہے، بلاشبہ جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ میں رہے گا۔

قبلہ کی طرف منہ کرنے سے متعلق

عمدۃ الاحکام کی حدیث نمبر:65

عَنْ ابنِ عمر رضي الله عَنْه : «أَنّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُسَبّحُ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِه، حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ، يُومِئُ بِرَأْسِهِ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ».

وَفِي رِوَايَةٍ : «كَانَ يُوتِرُ عَلَى بَعِيرِهِ».

وَلِمُسْلِمٍ: «غَيْرَ أَنّهُ لا يُصَلّي عَلَيْهَا الْمَكْتُوبَةَ».

وَلِلْبُخَارِيّ: «إلاّ الْفَرَائِضَ».

[رواه البخاري، أبواب تقصير الصلاة، باب من تطوع في السفر في غير دبر الصلوات وقبلها، بلفظه، برقم 1105، ومسلم بنحوه، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز صلاة النافلة على الدابة في السفر حيث توجهت، برقم 37- (700)]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری کی پیٹھ پر نماز ادا کر لیا کرتے تھے اس کا رخ خواہ کسی طرف بھی ہوتا، سر سے اشارہ کرتے (یعنی رکوع اور سجود کے لیے) اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس طرح کرتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے اونٹ پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سواری پر فرض نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں کہ ”مگر فرائض سواری پر ادا نہیں کرتے تھے۔“

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: يُسَبّحُ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِه: اپنی سواری کی پیٹھ پر نفل نماز پڑھتے تھے۔ ”تسبیح سے مراد یہاں نفل نماز ہے۔“

2 : الْمَكْتُوبَةُ : فرض نماز۔

3 : الرّاحِلَةُ : سواری۔

4 : يُومِئُ بِرَأْسِه: اپنے سر سے اشارہ کرتے۔

5 : كَانَ يُوتِرُ: وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

6 : عَلَى بَعِيرِه: اپنے اونٹ پر۔

7 : اَلْفَرَائِضُ: فرض نماز۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ نفل نماز کے لیے تسبیح کا لفظ۔ اس میں تسبیح یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

2۔ دوران سفر سواری پر نفل نماز ادا کرنا جائز ہے۔

3۔ نفل نماز میں قیام فرض نہیں ہے جبکہ فرض نماز میں قیام فرض ہے۔ نفل نماز میں جان بوجھ کر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔

4۔ نفل نماز سواری یا زمین پر بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں رکوع و سجود کے لیے سر کے اشارے سے جھکنا کافی ہے، البتہ زمین پر بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں رکوع کے جھکنا کافی ہو گا اور سجدہ زمین پر اسی طرح کیا جائے گا جس طرح فرض نماز کے لیے البتہ کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں صرف سر کے اشارے سے جھکنا کافی ہو گا، رکوع کے لیے کم اور سجدے کے لیے زیادہ جھکا جائے گا۔

5۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع اور سجدہ کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر ہی رکھا جائے گا کیونکہ سنت یہی ہے، رکوع و سجود کے وقت ہاتھوں کو آگے کی طرف پھیلانا سنت سے ثابت نہیں ہے۔

6۔ سواری پر نفل نماز پڑھنے کی صورت میں قبلہ رخ رہنا بھی ضروری نہیں ہے البتہ نماز شروع کرتے وقت سواری کو قبلہ رخ کر لیا جائے اور اس کے بعد جس طرف جانا ہے سواری کا منہ اس طرف کر لیا جائے۔ البتہ فرض نماز میں قبلہ رخ ہونا اور پوری نماز میں قبلہ رخ رہنا ضروری ہے۔

7۔ فرض نماز سواری پر درست نہیں ہے کیونکہ اس میں قیام، رکوع و سجود اور باقی نماز کے ارکان و واجبات وغیرہ اپنی اصل حالت میں ادا کرنے ضروری ہیں اور یہ سواری پر ممکن نہیں ہیں مثلاً سات ہڈیوں پر سجدہ اور رکوع میں پشت کو سیدھا کرنا اور ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا وغیرہ۔

8۔ اگر سفر کرنا ہو تو فرض نمازوں کو جمع کرنا سنت ہے مثلاً ظہر کو عصر کے ساتھ یا عصر کو ظہر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ یا عشاء کو مغرب کے ساتھ۔ مثلاً اگر سفر زوال سے پہلے شروع کیا ہے تو ظہر کو عصر کے وقت میں عصر کے ساتھ پڑھ لیا جائے پہلے ظہر پھر عصر اور اگر زوال کے بعد سفر شروع کیا ہے تو عصر کو ظہر کے وقت میں ظہر کے ساتھ پڑھ لیں پہلے پہلی نماز اور دوسری بعد میں۔

9۔ گھر سے دو نمازوں کو جمع کر کے سفر شروع کرنے کی صورت میں پوری نماز مگر صرف فرض ادا کئے جائیں گے مثلاً ظہر کے چار اور عصر کے چار درمیان

میں سنت وغیرہ ادا نہیں کی جائیں گی کیونکہ سنت یہی ہے جبکہ سفر میں 2 نمازوں کو جمع کرنے کی صورت میں قصر پڑھا جائیں گی یعنی 2 رکعت ظہر کے اور 2 رکعت عصر کے اور درمیان میں سنت وغیرہ ادا نہیں کی جائیں گی کیونکہ سنت یہی ہے، البتہ دوران سفر نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے جیسا کہ سنت سے ثابت ہے۔

10۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئیں رخصتیں اللہ کی رحمت ونعمت ہیں ان کو اختیار کرنا مستحب ہے۔

11۔اجر وثواب محض تکلیف یا مشقت میں نہیں ہے بلکہ اجر وثواب اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حکموں کو بجالانے میں ہے۔

12۔وتر نماز بھی نفل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو سواری پر پڑھا ہے۔

قبلہ کی طرف منہ کرنے سے متعلق

حدیث نمبر:66

عَنْ ابنِ عُمَرَ رضي الله عَنْه قال: «بَيْنَمَا النّاسُ بِقُبَاءَ فِي صَلَاةِ الصُّبحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: إنّ النّبِيّ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ: أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشّامِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ».

[رواه البخاري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في القبلة...، بلفظه، برقم 403، وكتاب التفسير، باب ﴿الّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ﴾، برقم 4491، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحويل القبلة من القدس إلى الكعبة، برقم 526]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز میں مشغول تھے ایک آنے والا ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آج رات نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل کیا گیا اور آپ کو حکم دیا گیا کہ قبلے کی طرف رخ کریں تو تم بھی قبلے کی جانب رخ کر لو۔ان کے چہرے شام کی طرف تھے تو وہ سب کعبے کی طرف گھوم گئے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : بَيْنَمَا النّاسُ:لوگ اس حال میں تھے کہ۔

2 : بِقُبَاءَ:مسجد قباء میں۔

3 : فِيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ:صبح کی نماز میں۔

4 : اِذْ جَاءَهُمْ آتٍ:جب آیا ان کے پاس آنے والا۔

5 : أُنْزِلَ عَلَيْهِ:اتارا گیا آپ پر۔

6 : أُمِرَ:حکم دیا گیا۔

7 : اَنْ يَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ:کہ کعبہ کی طرف رخ کر لیں۔

8 : فَاسْتَقْبِلُوهَا:تو تم بھی اس کی طرف رخ کر لو۔

9 : اِسْتَدَارُوْا اِلَى الْكَعْبَةِ:وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

10 : وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ اِلَى الشَّام:ان کے چہرے شام کی طرف تھے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ہجرت سے پہلے اہل اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا ہجرت کے سولہ یا سترہ ماہ بعد اہل اسلام کے لئے کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے دوسرے پارے کے شروع میں بھی فرمایا۔

2۔کعبہ اگر نظر آرہا ہو تو عین اس کی طرف اور اگر دور نظروں سے اوجھل ہو تو نماز پڑھتے وقت اس کی جہت کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔

3۔انسان کو جب صحیح علم حاصل ہو جائے اس کو فوراً اپنا لینا چاہیے۔

4۔اگر نماز کے دوران معلوم ہو جائے کہ وہ قبلہ رخ نہیں بلکہ قبلہ دوسری طرف ہے تو وہ نماز کے دوران ہی قبلے کی طرف مڑ جائے اس سے نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہو گا اس صورت قبلہ رخ ہونے سے پہلے پڑھی گئی نماز درست ہو گئی۔

5۔ایک شخص کی بھی خبر احکام وعقائد میں حجت ہے بشر طیکہ وہ شخص ثقہ اور عادل ہو۔

6۔شریعت میں ناسخ و منسوخ کے ہونے میں کئی حکمتیں اور فوائد ہیں۔اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو ناسخ ومنسوخ کے قائل نہیں ہیں۔

7۔کسی سند میں صحابی کا نام مجہول یعنی معلوم نہ تب بھی حدیث صحیح اور قابل حجت ہے کیونکہ تمام صحابہ عادل اور ثقہ ہیں اور جرح سے پاک ہیں جب کہ صحابی کے علاوہ سند میں کوئی بھی راوی اگر مجہول ہو یعنی اس کا نام معلوم نہ ہو یا اس کے حالات معلوم نہ ہوں تو ایسی روایت ضعیف اور نا قابل حجت ہوتی ہے۔اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

8۔صحابی رسول جب یہ کہے کہ حکم دیا گیا ہے تو اس سے مراد اللہ یا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہوتا ہے۔

قبلہ کی طرف منہ کرنے سے متعلق

حدیث نمبر:67

عَنْ أنس بن سيرين قال: «اسْتَقْبَلْنَا أَنَساً حِينَ قَدِمَ مِنَ الشّامِ، فَلَقِينَاهُ بِعَيْنِ التّمْرِ، فَرَأَيْتُهُ يُصَلّي عَلَى حِمَـارٍ، وَوَجْهُهُ مِن ذَا الْجَانِبِ ــ يَعْنِي عَنْ يَسَارِ الْقِبْلَةِ ــ فَقُلْتُ: رَأَيْتُكَ تُصَلّي لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ؟ فَقَالَ: لَوْلا أَنّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَفْعَلُهُ مَا فَعَلْتُهُ».

[رواه البخاري، أبواب تقصير الصلاة، باب صلاة التطوع على الحمار، برقم 1100،

ومسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز صلاة النافلة على الدابة في السفر حيث توجهت، برقم 702]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

حضرت انس بن سیرین تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا جبکہ وہ شام سے تشریف لائے ہم انہیں "عین التمر" مقام پر جا کر ملے میں نے انہیں دیکھا کہ وہ گدھے پر نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ کا رخ قبلہ کی بائیں جانب تھا میں نے عرض کی کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ قبلہ کے علاوہ کسی دوسری جانب منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں قطعاً ایسا نہ کرتا۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: اَنَسُ بْنُ سِيْرِيْنَ : یہ مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین رحمہما اللہ کے بھائی تھے۔

2 : عَيْنُ التَّمْرِ : یہ مقام مغربی عراق کی حدود پر واقع ہے یہاں کھجور کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

3 : قَدِمَ مِنَ الشَّامِ :شام سے آئے۔

4 : فَلَقِيْنَاهُ :توہم ان سے ملے۔

5 : ذَا الْجَانِبِ :ایک طرف۔

6 : يَسَارِ الْقِبْلَةِ :قبلے کی بائیں جانب۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ نفل نماز میں سواری پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا قبلہ وہی ہو گا جس طرف سواری کا رخ ہو۔ یعنی قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ فرض نماز کی ادائیگی میں ضروری ہے۔

2۔ نفل نماز کا سواری پر ادا کرنا جائز ہے خواہ سواری گدھے کی ہو۔

3۔ گدھے پر سواری کرنا جائز ہے۔

4۔ مسلمان بھائی کا استقبال کرنا جائز ہے بشرطیکہ شرعی حدود میں ہو۔

5۔ بڑے عالم سے علم حاصل کرنا جیسا کہ سیدنا انس بن سیرین رحمہ اللہ نے کیا۔

6۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن پر عمل کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پسند کیا کرتے تھے۔

☆☆☆

مرثیہ عبدالحق محمدی بن محمد سرور محمدی

اے پیارے 'عبد حق' کہاں تم چلے گئے — صبر وقرار ساتھ ہمارا لیے گئے
یہ تم پہ کم سنی میں ہوا تھا خدا کا فضل — یوتیہ من یشاء ہی بھائی تھی اس کی اصل
بزنس کیا ہے تم نے بڑی ان وبان سے — خدمت بھی کی ہے تم نے سخاوت کی شان سے
مادر پدر کو رکھا ہے نزدیک جان سے — رہتے تھے اہل خانہ سب امن وامان سے
سب بھائیوں کو بہنوں کو دل میں رکھا سدا — کتنوں کو تم نے حج اور عمرہ کرا دیا
اچھا کھلایا اچھا پلایا ہر ایک کو — یعنی بصد خلوص نوازا ہر ایک کو
ماں باپ گرچہ دونوں کثیر العیال تھے — لیکن تمہاری وجہ سے وہ مالا مال تھے
عمر قلیل میں ہوئے وہ صاحب دولت — کرتے رہے ہمیشہ سخاوت سے پر عمل
دولت کو جمع کرنے کا ہرگز نہ شوق تھا — بس نیکیاں کمانے کا بھرپور ذوق تھا
تایا کو تھا سکون تمہارے وجود سے — ہر دم دعائیں کرتے تھے رب ودود سے
جس طرح تھے جہاں 'عبد حق وقدیرؔ' — اس سے بڑھ کے رکھے خدا ان کو مستیز
اک سال کے فرق سے دونوں جدا ہوئے — دونوں ہی کے عیال الم آشنا ہوئے
اولاد کو تو ان کی مثالی بنا خدا — محسوس ہو نہ ان کو الم اپنے باپ کا
تم کو سدا خلوص کی اللہ دے جزا — ہر ایک کی دعا ہے یہی صبح اور مساء
جہد وعمل کی تم کو خدا سے ملے جزا — کرتا دعا ہے ثاقب عمری یہی سدا

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب عمری، برمنگھم

شادیوں میں بارات کا رواج کب سے شروع ہوا؟ یعنی پورے خاندان، برادری اور دوست احباب کا ایک جم غفیر اور انبوہ کثیر کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جانا۔

تاہم یہ بات تو واضح ہے کہ عہد رسالت وعہد صحابہ وتابعین یعنی دور خیر القرون میں اس کا نام ونشان نہیں ملتا، صرف گھر کے چند افراد جاتے اور خاموشی اور سادگی کے ساتھ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر نکاح پڑھ کے لڑکی کو اپنے ہمراہ لے آتے، شرعاً نکاح میں اعلان ضروری ہے اور یہ اعلان طرفین کے گھر والوں کے سامنے ہو جاتا تھا نیز ولیمے میں مزید لوگوں کے علم میں آجاتا، اب جو بارات کا عام رواج ہے جس کے بغیر شادی کا تصور بھی ممکن نہیں اس کے بے شمار مفاسد ہیں، ان میں سے چند بڑے مفاسد حسب ذیل ہیں:

1. سارے دوست احباب اور خاندان اور برادری کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا، اسراف (فضول خرچی) ہے، پہلے خود لڑکے والوں کو تمام مہمانوں کے بیٹھنے اور خاطر تواضع کا انتظام کرنا پڑتا ہے، قریبی رشتے داروں کے لیے تو یہ انتظام کئی کئی دن کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ پھر ان سب کو ساتھ لانے اور لے جانے کے لیے بسوں اور گاڑیوں کا انتظام اس پر مستزاد۔ اس سے بھی پہلے شادی کارڈوں کی اشاعت کا مسئلہ آتا ہے، پہلے تو سادہ سے کارڈ چھپوا کر اطلاع کا اہتمام کر لیا جاتا تھا، اب اس میں بھی پیسے والوں نے بڑی جدتیں اختیار کر لی ہیں اور اتنے اتنے گراں کارڈ چھپنے لگے ہیں کہ ان کو دیکھ کر اس قوم کی فضول خرچی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں زیادہ قریبی رشتے دار (بہنیں اور بیٹیاں اور ان کی اولاد) تو کئی کئی دن پہلے آکر شادی والے گھر میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں اور مختلف رسموں (مایوں، مہندی وغیرہ) کے علاوہ کئی کئی راتیں مسلسل ڈھولکیاں بجاتیں اور اہل محلہ کی نیندیں خراب کرتی ہیں۔

پھر نکاح والے دن بقیہ خاندان اور احباب وغیرہ جمع ہو کر ایک لاؤلشکر کی صورت میں لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں جس کی ضیافت اور ٹھہراؤ کے لیے کسی شادی ہال یا کسی بڑی مکان کا انتظام لڑکی والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان کو ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے، جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہوتی ہے ان کے لئے تو یہ بوجھ کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن جن کے پاس زیادہ وسائل نہیں ہوتے ان کو بھی خواہی نخواہی یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے چاہے وہ زیر بار ہو جائیں اور اس بوجھ کے اتارنے میں وہ سالہا سال پریشان رہیں۔

2. جب لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اللہ سے بے خوفی کے نتیجے میں یہ تصور بھی عام ہے کہ یہ خوشی کا موقع ہے اس وقت جو چاہیں کر لیں، اس کا جواز ہے، چنانچہ بڑی بڑی شیطانی حرکتیں کی جاتی ہیں اور باراتی ان سے خوب محظوظ ہوتے ہیں، اس طرح سب گناہ میں شریک ہو جاتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات لڑکی والوں کی طرف سے بھی ان کا مطالبہ اور اصرار ہوتا ہے، یوں دونوں خاندان اور ان کے سارے عزیز واقارب اجتماعی طور پر نہایت دھڑلے سے اللہ کی نافرمانیاں کرتے اور شریعت اسلامیہ کی دھجیاں اڑاتے ہیں جب کہ اسلامی تعلیم کی رو سے انفرادی گناہ جو خفیہ اور چھپ کر کیا جائے اگرچہ وہ بھی گناہ ہے لیکن اگر کوئی گناہ کا کام کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کیا جائے، تو اس جرم کی شناعت وقباحت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ

(صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ستر المؤمن علی نفسۃ)

"میری امت کے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں سوائے ان گناہ گاروں کے جو کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کرنے والے ہوں گے۔"

اجتماعی طور پر کیے جانے والے یہ گناہ جو باراتیوں کے ہجوم میں اور ان کی وجہ سے کیے جاتے ہیں، حسب ذیل ہیں:

بینڈ باجوں کا اہتمام جن کی شیطانی دھنوں سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں حتی کہ ان پر نوٹوں کی بارش کی جاتی ہے جس کا نام ویل دینار کھا ہوا ہے۔

آتش بازی جو "گھر پھونک، تماشہ دیکھ" کی مصداق ہے، ہزاروں روپے اس پر اڑا دیے جاتے ہیں۔

ہوائی فائرنگ، جس کی زد میں آئے دن بعض باراتی یا اڑوس پڑوس کے لوگ آجاتے ہیں اور موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بھنگڑا اور لڈیاں ڈالنا، اس کا رواج بھی بڑھتا جا رہا ہے حتی کہ بعض باراتیوں میں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ

خواتین بھی اس میں شریک ہو جاتی ہیں۔
پیسے لٹانا، پہلے تو ریز گاری کی شکل میں تھوڑی سی رقم ہی اس پر خرچ ہوتی تھی، اب یہ رسم نوٹوں تک پہنچ گئی ہے جس سے اس مد پر بھی ہزاروں روپے برباد کیے جاتے ہیں۔
جن کا بوجھ اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے ،یہ بھی فضول خرچی ہی کی ایک مد ہے۔
یہ بارات جب لڑکی والوں کے ہاں (ہال یا گھر میں) پہنچتی ہے تو نوجوان لڑکیاں اور یکسر بے پردہ عورتیں دونوں طرف ہاتھوں میں پھولوں کے تھال پکڑے ہوئے دولہا اور باراتیوں کا استقبال کرتی ہیں اور ان پر گل پاشی کرتی ہیں، یہ بھی بے پردگی کی ایک ایسی بے ہودہ رسم ہے جس کی توقع کسی مسلمان مرد عورت سے نہیں کی جاسکتی۔
بارات کے ساتھ کرائے کے مووی میکر ہوتے ہیں جو ان ساری خرافات کو بھی اور ہال میں ہونے والے ساری کارروائی کو بھی (نکاح کی تقریب سے لے کر دلہن کی رخصتی تک) فلم بند کرتے ہیں اور ایک ایک سین کو بالخصوص خواتین کے مختلف پوزوں کو اور دلہن کے ایک ایک پوز کو محفوظ کرتے ہیں اور بعد میں دونوں خاندانوں کے گھروں میں بے حیائی کے ان مظاہر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔
بارات میں خواتین کا بھی ایک ریلا شریک ہوتا ہے جو سب بے پردہ، نہایت بھڑکیلے، زرق برق ، حتی کہ عریاں اور نیم عریاں لباس میں ملبوس ، نہایت بے ہودہ میک اپ اور سولہ سنگھار سے آراستہ اور زیورات میں لدی پھندی ہوتی ہیں گویا وہ شادی کی ایک بابرکت تقریب میں نہیں بلکہ وہ مقابلہ حسن یا آرائش وزیبائش اور بے پردگی و بے حیائی کے مقابلے میں شریک ہونے کے لیے جارہی ہیں۔
اب بہت سی جگہوں پر مخلوط اجتماع بھی ہونے لگے ہیں، یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ حصے نہیں ہوتے، کھانے کا الگ الگ انتظام نہیں ہوتا بلکہ بغیر کسی تفریق اور پردے کے مرد اور عورت کے لیے ایک ہی ہال اور کھانے کی میزیں بھی مشترکہ
إِنَّا لِلّٰهِ وإِنَّا إِلَيهِ رَاجِعُونَ
آخر میں مراثیوں کا ایک غول آجاتا ہے جو الٹی سیدھی ہنسانے والی باتیں ہانک کر اور بڑکیں مار کر باراتیوں سے (ویلیں) وصول کرتے ہیں۔
اور بعض جگہ اور بعض خاندانوں میں مجرے کا رواج ہے۔ مخنث (ہیجڑے) نسوانی لباس اور نسوانی ناز وادا اور ناچ گا کر باراتیوں کا دل لبھاتے ہیں اور ان سے خوب ویلیں وصول کرتے ہیں اور باراتی ان پر بھی نوٹوں کی بارش برساتے ہیں۔
کھانے کے موقعے پر بھی اکثر وبیشتر عجیب ہڑبونگ مچتی ہے، کھانے پر لوگ اس طرح ٹوٹ کر پڑتے ہیں ، جیسے مویشیوں کو چارہ کھرلی میں ڈال کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ
﴿يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾
(سورۃ محمد:12)
کے مصداق ہوتے ہیں یا جیسے بھوکے گدھ ہوتے ہیں یا جیسے ایسی وحشی اور گنوار قسم کی قوم کے افراد ہوں جن کو کبھی کھانا نصیب نہیں ہوا یا جن کا کوئی تعلق تہذیب وشائستگی سے نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہر شخص اپنی اپنی پلیٹوں کو اس طرح بھر لیتا ہے کہ اکثر وہ اس سے کھایا ہی نہیں جاتا اور آدھی آدھی پلیٹیں بھری ہوئی چھوڑ دیتے ہیں، وہ سارا کھانا کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے حالانکہ اس صورت حال کے پیش نظر میزبان ضرورت سے زیادہ وافر مقدار میں کھانا تیار کرواتا ہے اور یہ اندیشہ قطعاً نہیں ہوتا کہ کسی کو کھانا نہیں ملے گا، بعض دفعہ کسی میز پر بیرے کو دوبارہ کھانا لانے میں ذرا دیر ہو جاتی ہے تو لوگ معمولی سا انتظار کرنے کے بجائے ہوٹنگ شروع کر دیتے ہیں، بد اخلاقی اور تہذیب وشائستگی سے عاری یہ مظاہر اتنے عام ہیں کہ ہم ان تقریبات میں غیر مسلم اشخاص کو بلانے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ہم مسلمانوں کے اخلاق وکردار کے بارے میں کیا تاثر قائم کریں گے کہ یہ اسی مسلم قوم کے وارث ہیں جن کے اسلاف نے دنیا کو مکارم اخلاق اور تہذیب وشائستگی کا درس دیا تھا اور جن کے پیغمبر بھی خلق عظیم کے مالک تھے اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے جس کے بہترین نمونے ان کے پیروکاروں (صحابۂ کرام وتابعین عظام) نے دنیا کے سامنے پیش کیے اور دنیائے انسانیت میں معلم اخلاق کے نام سے معروف ہوئے۔
یہ سارے مظاہر جن کے کچھ نمونوں کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی، ایک تو سراسر اسراف وتبذیر میں داخل ہے جن کے مرتکبین کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخوان الشیاطین (شیطانوں کے بھائی) قرار دیا ہے۔
دوسرے قدم قدم پر اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے۔
تیسرے ڈنکے کی چوٹ پر علانیہ بڑے بڑے گناہوں کی جسارت ہے جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔
چوتھے، بداخلاقی اور بدتہذیبی کے مظاہر ہیں جن کی توقع کسی بھی مہذب اور شائستہ قوم سے نہیں کی جاسکتی، چہ جائیکہ اسلام کے ماننے والے ان کا ارتکاب کریں؟
تمام مذکورہ خرافات کے بعد آخر میں فوٹو سیشن ہوتا ہے جس میں مرد وعورت سب اسٹیج پر یا اور کسی نمایاں جگہ پر جمع ہوتے اور باری باری دولہا اور دلہن کے ساتھ فوٹو کھنچواتے ہیں یہ سراسر بے پردہ اور مخلوط اجتماع ہوتا ہے۔

ان تمام مفاسد اور خرابیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی حل ہے کہ باراتوں کا سلسلہ ختم کیا جائے، دولہا کے ساتھ خاندان کے چند لوگ لڑکی والوں کے گھر جائیں، لڑکی والے بھی اپنا پورا خاندان جمع کرنے کی بجائے چند ضروری افراد ہی کو اس تقریب میں شریک کریں اور گھر کے ایک کمرے ہی میں نکاح کرکے حسب استطاعت مہمانوں کی ضیافت کرکے اپنی بچی کے ہمراہ ان کو رخصت کردیں اس طرح اس تقریب کے لیے نہ شادی ہال کی بکنگ کی ضرورت ہوگی، نہ مہمانوں کے لیے درجنوں کے حساب سے دیگوں، مختلف ڈشوں اور دیگر اشیائے طعام کی نہ عورتوں کی بے پردگی وبے حیائی کا فتنہ اور نہ بینڈ باجوں، آتش بازی اور نہ مووی فلموں کی حیا سوز فتنہ انگیزی اور نہ دیگر بے شمار خرابیوں کا ظہور جس کی تفصیل گزشتہ سطور میں پیش کی گئی ہے۔

﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ (سورۃ القمر:17)

کیا کوئی ہے ان نصیحتوں پر کان دھرنے والا؟ سادگی اور اسلامی تعلیمات کو اختیار کرنے والا؟ اور لوگوں کی ناراضی اور لومۃ لائم (ملامت گروں کی ملامت سے) سے بے خوف ہوکر صرف اللہ کو راضی کرنے والا؟

بارات میں عورتوں کی شرکت کے مزید مفاسد

لڑکی والوں کے گھر جاتے وقت سوائے گھر کی خواتین کے (بیٹے کی ماں اور بہنوں کے) خاندان کی عورتوں اور دوست احباب کی بیگمات کو قطعاً ساتھ نہ لے جایا جائے اس لیے کہ بارات میں عورتوں کی شرکت بھی بے شمار مفاسد کا باعث ہے۔

عورتوں میں سادگی کا تصور بالکل ختم ہوگیا ہے، حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورتیں بالکل سادہ لباس میں باپردہ گھر سے باہر نکلیں، جب کہ ہوتا یہ ہے کہ خاندان میں کسی کی شادی کی اطلاع ملتے ہی گھر کی خواتین مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ گھر میں (بچیوں اور بیوی سمیت) تمام خواتین کے لیے کم از کم دو دو سوٹ اعلیٰ قسم کے تیار کیے جائیں، ایک نکاح والے دن اور دوسرا ولیمے والے دن کے لیے کیونکہ خاندان کی ساری عورتوں نے ان کو دیکھنا ہے، دونوں دن ایک ہی سوٹ میں اور سادہ لباس میں ملبوس ہونے کی صورت میں ان کی سبکی ہوگی۔

محدود آمدنی والے مرد کے لیے اپنے محدود بجٹ میں اس کے لیے گنجائش نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے، علاوہ ازیں لباس اور اس کی سلائی کے علاوہ، سادگی کا تصور ختم ہونے کی وجہ سے، میک اپ اور سولہ سنگھار کا سامان کا بھی مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے اور آنے جانے کے لیے کرائے کی گاڑی بھی ضروری ہے۔

جو صاحب حیثیت گھرانے ہیں ان کی بیگمات کا، مذکورہ اخراجات کے علاوہ، زیورات کے نئے طلائی سیٹ کا مطالبہ ہوتا ہے، گھر میں پہلے جو سیٹ بلکہ بعض کے ہاں کئی کئی سیٹ ہوتے ہیں، ان کا کہنا ہوتا ہے وہ پرانے ہیں یا فلاں کی شادی میں میں نے وہ پہنے تھے، اب وہی سیٹ اس شادی میں میں نے نہیں پہننا ہے اور آج کل کے زن مرید قسم کے شوہر یہ مطالبہ بھی پورے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اور اب بہت سی خواتین میک اپ کے لیے بیوٹی پارلروں کی خدمات بھی حاصل کرتی ہیں اور وہاں سے اپنے بال، چہرہ اور ہر چیز سیٹ کرواکر شادیوں میں شریک ہوتی ہیں تاکہ وہ لباس اور زیورات ہی میں نہیں بلکہ حسن وجمال اور آرائش وزیبائش میں بھی یکتا اور ممتاز نظر آئیں، پھر ان تکلفات وتصنعات میں پردے اور نماز پڑھنے کا اہتمام کیوں کر ممکن ہے؟ چنانچہ ہماری شادیوں میں ان سب کا تصور ختم ہوگیا ہے، پردہ کریں گی تو آرائش وزیبائش کے یہ مناظر لوگوں کو کب نظر آئیں گے؟ اور نماز کے لیے وضو کریں گی تو میک اپ کا یہ کرشمہ 'مصنوعی حسن' بہہ جائے گا اور چہرے کی اصل رنگت اور اصل خدوخال نمایاں ہوجائیں گے۔

یہ عورتیں جب شادی والے گھر یا شادی ہال میں اکٹھی ہوتی ہیں تو ان کی نظریں دیگر تمام عورتوں کے لباس، زیورات اور میک اپ کا جائزہ لیتی ہیں اگر وہ ان سب میں ممتاز ہوتی ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے، شیطان ان کے اندر تفاخر اور تکبر کا احساس اور اپنے سے کمتر عورتوں کی تحقیر کا جذبہ پیدا کردیتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو سادہ مزاج قسم کی عورتوں کی بابت اس قسم کے تبصرے بھی ان کے نوک زباں پر آجاتے ہیں کہ فلاں کو دیکھو! اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے لیکن یتیموں اور فقیروں کے سے لباس میں یہاں آئی ہیں، یعنی یہ سادگی، جو اللہ کو پسند ہے، شیطان صفت ان عورتوں کو بری لگتی ہے۔

یہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو اکثر وبیشتر ان کی باہم گفتگو کا موضوع ایک دوسرے کی غیبت اور ایک دوسرے پر لعن طعن ہوتا ہے، اللہ کا ذکر شاذ ونادر ہی ان کی زبانوں پر آتا ہے۔

مووی فلم میں، جو آج کل شادیوں کا (بارات میں بھی اور ولیمے میں بھی) ایک لازمی حصہ بن گیا ہے، ان بے پردہ فیشن پرست عورتوں کے ایک ایک سین کو محفوظ کرکے ان کے حسن وجمال اور بناؤ سنگھار اور لباسوں کی تراش خراش بلکہ عریانی ونیم عریانی کو عام کرکے دونوں خاندانوں میں ان کی نمائش کا اہتمام اور ان کا چرچا ہوتا ہے حالانکہ عورتوں کی یہ ساری خوبیاں اور آرائش وزیبائش کی ساری صورتیں صرف خاوند کے لیے جائز اور اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن بے چارہ مرد تو اپنی بیوی کو اپنے گھر میں بالعموم اس کے برعکس حالت میں دیکھتا ہے کیونکہ عورتیں اپنے خاوند کے لیے اس طرح کی آرائش وزیبائش کا اہتمام نہیں کرتیں جب کہ ان کو ان کے سامنے بناؤ

سنگسار کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ حکم ہے لیکن جب ان کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس طرح بن سنور کر نکلتی ہیں کہ اللہ کی پناہ، بالخصوص شادیوں میں تو اس کی بے پردگی، اس کا نیم عریاں لباس، میک اپ، غازہ ولپ سٹک، اس کی ایک ایک حرکت وادا ایک غارت گر دین وایمان اور رہزن تمکین وہوش، کسی الھڑ حسینہ، دل ربا چنچل بازاری عورت سے کم نہیں ہوتی حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورت جب گھر سے باہر نکلے تو باپردہ اور سادگی سے نکلے حتی کہ اس کی خوشبو کی مہک بھی کسی مرد کو محسوس نہ ہو۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلَى قَوْمٍ لِيَجِدُوا رِيحَهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ

(سنن النسائی، کتاب الزینۃ، باب مایکرہ للنساء من الطیب، سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب فی طیب المرأۃ للخروج)

"جو عورت خوشبو لگا کر (باہر نکلتی ہے اور) لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھ لیں تو وہ بدکار ہے۔"

احادیث میں ایک دفعہ بیان ہوا ہے کہ ایک عورت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزری تو انہوں نے اس سے خوشبو مہکتی ہوئی سونگھی، انہوں نے پوچھا: اے اللہ کی بندی! کیا تو مسجد میں آئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: اور مسجد میں آنے کے لیے تو نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے محبوب پیغمبر ابو القاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

لا تُقْبَلُ صَلاةٌ لامْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِهَذَا الْمَسْجِدِ، حَتَّى تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ (سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب ماجاء فی المرأۃ تتطیب للخروج)

"اس عورت کی نماز مقبول نہیں جو خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے جب تک کہ وہ واپس جا کر اس طرح کا غسل نہ کرے جو جنابت کا غسل ہوتا ہے۔"

اس سے اسلامی تعلیمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک عورت کو مسجد میں جانے کے لیے بھی خوشبو لگا کر جانے کی اجازت نہیں ہے تو دوسری کسی بھی جگہ معطر اور مزین ہو کر جانے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور جو اس طرح جاتی ہے اس کے دل میں اسلامی تعلیمات کا احترام اور ان پر عمل کا جذبہ کتنا ہے؟

نکاح کے بعد عورتوں کے اجتماع اور حصے میں ایک اور رسم کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اور وہ ہے کہ دولہا میاں اپنے دوستوں کے ہمراہ اس حصے میں جاتے ہیں اور وہاں دولہا دلہن کو ایک ساتھ بٹھا کر تمام خواتین کے سامنے دودھ پلائی کی رسم ادا کی جاتی ہے اس کے علاوہ دولہا دلہن سب کے سامنے ایک دوسرے کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں، اس موقعے پر دونوں خاندانوں کی خواتین کے علاوہ لہا کے قریبی دوست بھی وہاں موجود ہوتے ہیں۔ ستم ظریقی کی حد یہ ہے کہ دیندار خاندانوں میں بھی اس رسم کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور اسے بلا تکلف ادا کیا جاتا ہے حالانکہ دولہا بھی سوائے پھوپھی، خالہ یا اپنی ماں، بہنوں اور ساس کے تمام عورتوں کے لیے غیر محرم ہے، دولہا کے ساتھ اس کے دوست بھی اس موقع پر موجود ہوتے ہیں جو دلہن سمیت تمام خواتین کے لیے غیر محرم ہوتے ہیں لیکن سب کے سامنے بے حیائی کی یہ رسم ادا کی جاتی ہے اور ویڈیو والے یہاں بھی یہ تمام مناظر فلمانے کا کام جاری رکھتے ہیں۔

دلہن کی رخصتی کے وقت بھی عجیب عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں حتی کہ بعض خاندانوں میں قرآن پکڑ کر اسے دلہن کے سر پر چھتری کی طرح تان کر قرآن کا اس پر سایہ کیا جاتا ہے گویا قدم قدم پر ہر کام میں اللہ کی نافرمانی اور قرآنی تعلیمات کی مٹی پلید کرنے کے باوجود ہم قرآن سے اس جذباتی تعلق کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں، یا اللہ! دیکھ لے اس سب خود فراموشی اور خدا فراموشی کے بعد بھی بطور تبرک تیرے قرآن کریم ہی کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے ساتھ کتنا بھونڈا مذاق ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

کیا روزِ محشر اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے نہیں پوچھے گا کہ کیا قرآن کریم میں نے صرف اس لیے نازل کیا تھا کہ تم اس کو حریر وریشم کے غلافوں میں لپیٹ کر گل دستۂ طاق نسیاں بنا کر رکھ دینا اور اپنے کاروبار میں، معاملات زندگی میں اور اپنی معاشرتی تقریبات (شادی بیاہ وغیرہ) میں اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھنا، تاہم اس کو کبھی کبھی تبرک کے طور پر یا مردے بخشوانے اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کے لیے استعمال کر لیا کرنا۔

تاکہ تم اللہ کو، دنیا کو اور اپنے نفسوں کو یہ دھوکہ دیتے رہو کہ تم قرآن کریم کو ماننے والے ہو، سچ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے۔

﴿يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ (سورة البقرة: 9)

"یہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان کو یہ پتہ ہی نہیں کہ دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔"

شادی کے اختتام پر مرد حضرات اپنی اپنی خواتین کو لینے کے لیے ہال کے گیٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ماشاء اللہ سب خواتین چونکہ بے پردہ، ہر طرح کے فیشن سے آراستہ نیم عریاں لباسوں میں ملبوس اور الٹے سیدھے میک اپ سے اپنے چہروں کو اور پلکوں کو بزعم خویش سجایا بھڑکایا ہوتا ہے تو کیا باہر نکلتے ہوئے یہ عورتیں مردوں کے سامنے سے بلا جھجک نہیں

گزرتی ہیں ؟ اور کیا مرد رنگ ونور کے اس سیلاب سے، یا حسن وجمال کے اس جلوہ ہائے بے تاب سے یا بکھرتے اور ڈھنکتے اس قوس قزح سے محظوظ نہیں ہوتے؟ کیا بے حیائی وبے پردگی کے ان مناظر اور مظاہروں کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ اور جن مسلمان کہلانے والے مردوں نے اپنی بیگمات، بیٹیوں اور بہنوں کو اس بے حیائی کا مظہر بننے کی اور "بے حیا باش وہر چہ خواہی کن" کا مصداق بننے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، کیا وہ اس کے ذمے دار نہیں ہیں؟ اگر وہ واقعی مسلمان ہیں تو کیا اس بے غیرتی کا ان کے پاس کوئی جواز ہے؟ کیا انہوں نے کبھی سوچا ہے اسلام کی اس طرح مٹی پلید کرنے پر وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے، بارگاہ الٰہی میں کس طرح سرخرو ہوں گے؟ کیا اس جواب سے ان کا چھٹکار ہو جائے گا کہ بیوی یا بیٹی نہیں مانتی تھی؟ یا ہمارے معاشرے کا رواج ہی یہ تھا کہ شادی بیاہ کے موقعے پر شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا تھا؟ یا اگر ہم اپنی خواتین کو سادہ لباس اور باپردہ لے جاتے تو لوگ ہمیں دقیانوسی خیال کرتے اور یہ پھبتی کستے۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انہیں کچھ نہ کہو

کیا اس قسم کے جوابات سے ہماری چھوٹ ہو جائے گی؟

پس چہ باید کرد؟

بہر حال یہ صورت حال نہایت المناک ہے اور اہل دین کے لیے ایک لمحۂ فکریہ، یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب شادیوں میں تو ایسا نہیں ہوتا، بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن بات تو چند افراد یا چند شادیوں کی نہیں بلکہ قوم کی حیثیت مجموعی کی ہے۔ رسم ورواج اور بے حیائی کا یہ طوفان اور دینی اقدار وروایات سے یکسر انحراف کا یہ سیلاب اتنا عام اور تیز ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے دین دار گھرانے اور خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آرہے ہیں اور دولت اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے ان کے اندر بھی دین کی پابندی کے بجائے شان وشوکت کے اظہار کا جذبہ بڑھتا جارہا ہے، اس کی وجہ سے بہت سی مذکورہ خرابیاں دین داروں کی خواتین میں بھی عام ہوتی جارہی ہیں، مثلاً

امیرانہ شان وشوکت کا اظہار۔ ان کی خواتین نے ظاہری طور پر تو پردہ کیا ہوا ہوتا ہے لیکن پردے کے پیچھے وہی زرق برق لباس کی نمائش، زیورات کی نمائش، میک اپ اور آرائش کی نمائش، تفاخر اور برتری کا احساس وغیرہ۔

یہ چیزیں کمتر حیثیت کی خواتین کے اندر احساس محرومی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ فضول خرچی کے علاوہ معاشرے کے محروم طبقات کے اندر احساس محرومی کے جذبات پیدا کرنا بھی شرعی طور پر ناپسندیدہ ہے۔

پھر مائیں تو پردے کا کچھ اہتمام کر لیتی ہیں لیکن ان کے ساتھ ان کی نوجوان یا قریب البلوغت بچیاں ہوتی ہیں وہ اکثر بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور مذکورہ فیشنی مظاہر سے آراستہ بھی۔

علاوہ ازیں دین دار خاندانوں کے سارے رشتے دار بھی یا تو دین دار نہیں ہوتے یا دینی اقدار وروایات کے زیادہ پابند نہیں ہوتے نیز ان کے قریبی احباب میں بھی بہت سے دین سے بہت دور ہوتے ہیں ان کی خواتین بھی جب بارات اور ولیمے میں شرکت کرتی ہیں تو وہ اسی بے پردگی اور اس کے لوازمات کا مظہر ہوتی ہیں جس کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

بڑی باراتوں اور ان کی ضیافت کے لیے دین داروں کو بھی وسیع پیمانے پر انتظامات کرنے پڑتے ہیں، شادی ہال کا اور انواع واقسام کے کھانوں کا۔ جو فضول خرچی ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

لڑکی کی شادی ہو یا لڑکے کی۔ شادی والے گھر ہی میں کئی کئی دن چراغاں ضروری نہیں ہوتا بلکہ گلی، چوراہوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے اور دین دار ہوں یا غیر دین دار، سب ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ خوشی کے موقعے پر چراغاں کرنا مسلمانوں کا شیوہ کبھی نہیں رہا، یہ آتش پرستوں کی رسم ہے جسے ہندوؤں نے اختیار کیا اور ہندوؤں سے میل جول کی وجہ سے یہ مشرکانہ رسم مسلمانوں میں بھی آگئی۔

یہ چند مفاسد وہ ہیں جو دین دار گھرانوں اور خاندانوں میں بھی عام ہوتے جارہے ہیں اور ان سے بچنے کا داعیہ اور جذبہ کمزور سے کمزور تر ہوتا جارہا ہے۔

سخت آپریشن اور دینی غیرت اختیار کرنے کی ضرورت

جب بیماری شدید اور ناسور خطرناک ہو جائے تو بیماری اور ناسور کے خاتمے اور بیمار کی زندگی کو بچانے کے لیے آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہ ناگوار اقدام مریض سے ہمدردی اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔

شادی بیاہ کی رسمیں، جن میں بارات بھی ایک مرحلہ ہے، خطرناک ناسور کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ اس مریض قوم اور اس ناسور بھرے معاشرے کے معالج اور ہمدرد صرف اور صرف اہل دین ہیں، اس لیے معاشرے کے ان پھوڑوں (ناسوروں) کی نشتر زنی انہی کے ذمے داری ہے۔ وہ اپنی ذمے داری کو محسوس کریں لوگوں کی باتوں سے نہ ڈریں، طعن وتشنیع کی پروانہ کریں اور بغیر لومۃ لائم کے خوف کے اس بیمار قوم کے آپریشن کا آغاز کریں اور اس کے لیے ابتدائی قدم یہ ہے کہ اپنے گھر سے اسے شروع کریں۔ بالخصوص جو اصحاب حیثیت دینی خاندان اور افراد ہیں، وہ ہمت کریں اور فوری طور پر بارات کا سلسلہ ختم کریں بے شک اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے، وہ سینکڑوں نہیں، ہزاروں افراد پر مشتمل باراتوں یا ان کی ضیافت کا اہتمام کر سکتے ہیں، لیکن اللہ

نے یہ دولت فضول خرچی کے لیے نہیں دی ہے، اس پر تو آپ سے باز پرس کی جا سکتی ہے، اس دولت کو صحیح مصارف پر خرچ کریں جس کی ہمارے معاشرے میں سخت ضرورت ہے۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ ہم جہیز پر گفتگو کے ضمن میں کریں گے۔ پاکستان میں ڈاکٹر اسرار صاحب مرحوم کی "تنظیم اسلامی" نے اس کا آغاز کیا ہوا ہے اور اس تنظیم سے وابستہ افراد کی ایک معقول تعداد نے باراتوں کا سلسلہ موقوف کیا ہوا ہے۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے جسے اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

یہ صرف ایک تنظیم یا اس سے وابستہ افراد کا کام نہیں ہے، یہ ایک دین کا تقاضا ہے جو سارے اہل دین کے مل کر کرنے کا کام ہے، صرف ایک تنظیم کے چند افراد کا یہ کردار قابل تعریف ہونے کے باوجود معاشرے میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں، اس کی حیثیت کسی صحرا میں پکار یا نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ نہیں ہے۔

ملک میں اہل دین کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو دینی شعور اور اس کی تعلیمات سے بہرہ ور بھی ہے، دینی اقدار وروایات سے وابستگی کا جذبہ بھی اس کے اندر ہے اور بے دینی و بے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے پریشان اور اس کا رخ موڑنے کی خواہاں بھی ہے لیکن بے عملی، ایمانی ودینی غیرت وحمیت کے فقدان اور ہوا کے رخ پر ہی بغیر کسی مزاحمت کے، چلتے جانے کی روش نے اتنی بڑی تعداد کو بے حیثیت بنایا ہوا ہے۔

بنابریں ضرورت عملی اقدامات کی ہے، ایمانی غیرت وحمیت کے مظاہرے کی ہے، ایک مضبوط تحریک برپا کرنے کی ہے اور تمام دینی جماعتوں سے وابستہ دین دار افراد کے یہ عہد کرنے کی ہے کہ وہ باراتوں میں شریک نہیں ہوں گے اور خود بھی بارات کے بغیر شادی کریں گے تاکہ مذکورہ خرافات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور قوم کے سامنے دین کا ایک عملی، سچا نمونہ پیش کریں۔

اٹھو و گرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

لڑکی والوں کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

بعض لوگ کہتے یا سمجھتے ہیں کہ باراتیوں کے لیے لڑکی والوں کے گھر کھانا کھانا ناجائز ہے، اسی طرح لڑکی والوں کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ لڑکے والوں کے ساتھ آنے والے باراتیوں کی مہمان نوازی کریں، ایسا سمجھنا صحیح نہیں، یہ وہ غلو ہے جو ناپسندیدہ ہے۔

نکاح کی غرض سے لڑکی والوں کے گھر آئے ہوئے حضرات، کم ہوں یا زیادہ، مہمان ہیں اور اکرام ضیف یعنی مہمان کی عزت وتکریم اور حسب طاقت وضرورت ان کی خاطر تواضع کا اہتمام نہایت ضروری اور ایمان کا تقاضا ہے، البتہ اپنی طاقت سے بڑھ کر محض دکھلاوے کے لیے فضول خرچی کی حد تک اہتمام ناجائز ہے جیسے مثال کے طور پر بارات کسی دوسرے شہر سے آئی ہے اور پھر اسے واپس بھی اسی شہر میں جانا ہے تو ظاہر بات ہے کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد تقریب نکاح کے بعد خالی پیٹ رہنا اور پھر اسی طرح رخصتی لے کر بغیر کچھ کھائے پیئے دوبارہ عازم سفر ہو جانا، ناممکن ہے، ایسا نہ ہو سکتا ہے اور نہ کیا ہی جا سکتا ہے۔ اس لیے مہمانوں کی ضیافت ناگزیر ہے اور اس قسم کی صورتوں میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے پینے کا انتظام کرنا اور مہمانوں کا لڑکی والوں کے گھر کھانا دونوں باتیں جائز ہیں، شرعاً ان میں کوئی قباحت نہیں ہے، اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ بھاری بھرکم بارات کا یہ تصور لڑکی والوں کے لیے خواہ مخواہ کا وہ ناروا بوجھ ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ معاشرے کا وہ ناجائز رواج ہے جو لڑکی والوں کے لیے ایسا تصور ہے جس نے زمانۂ جاہلیت کی طرح لڑکی کی پیدائش کو غم واندوہ اور ماتم وشیون والی چیز بنا دیا ہے جس کو اسلام نے آکر مٹایا تھا اور لڑکی کی پیدائش کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیا تھا۔ بارات کے ناروا بوجھ اور دیگر رسم ورواج کے اغلال وسلاسل نے ایک اسلامی معاشرے کو دوبارہ قبل از اسلام کے جاہلی معاشرے میں تبدیل کر دیا ہے، اور قرآن کریم نے اسلام کی نعمت سے محروم جاہلی معاشرے کی جو یہ کیفیت بیان کی ہے۔

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (سورۃ النحل:58)

" جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم وغصے سے بھرا ہوتا ہے۔"

یہی کیفیت ہمارے پاک وہند کے مسلمان معاشروں کی ہو گئی ہے، اور اس کی وجہ صرف وہی رسوم ورواج ہیں جو شادیوں کا جزو لاینفک بن گئے ہیں، جن میں بارات، جہیز، بری اور زیورات وغیرہ کی وہ غیر ضروری رسمیں ہیں جن کی بیڑیاں خود ہم نے اپنے پیروں میں ڈالی ہوئی ہیں اور جن کو اتار پھینکنے کے لیے کوئی تیار نہیں، نیز اس میں دونوں خاندان برابر کے ملوث ہیں لڑکے والے بھی اور لڑکی والے بھی اور اس سے بھی بڑا المیہ یہ کہ اس سے نہ کوئی دین دار خاندان مستثنیٰ ہے اور نہ غیر دین دار خاندان۔ گویا

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز

نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

یا

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے

ایک ہی زلف کے سب اسیر ہوئے

مسلمان معاشروں سے اس جاہلی کیفیت کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شادی بیاہوں کے ان

تکلفات کی بیڑیوں کو کاٹ کر نہیں پھینک دیا جائے گا جن میں ایک بھاری بھر کم بارات کا کروفر کے ساتھ آنا اور پھر شاہانہ انداز میں اس کی ضیافت کرنا شامل ہے۔

مروّجہ جہیز کی شرعی حیثیت

شادی کی رسومات میں ایک رسم جہیز بھی ہے۔ یہ رسم البتہ ایسی ہے کہ اس کی اصل حیثیت میں اختلاف ہے کہ یہ واقعی دیگر غیر ضروری رسومات کی طرح ایک رسم محض ہے یا کسی لحاظ سے اس کا شرعی جواز بھی ہے؟

ہمارے نزدیک اس رسم کے دو پہلو یا دو رخ یا دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں اس کا جواز ہے اور دوسری صورتوں میں ناجائز۔ اس کو سمجھنے کے لیے ان صورتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے جن کے پیشِ نظر جہیز کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ حسبِ ذیل ہیں:

1. شان و شوکت یا امارت کا اظہار
2. نمود و نمائش، شہرت اور تفاخر کا اظہار
3. اسراف و تبذیر کی حد تک اس کا اہتمام
4. وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ
5. محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی رسم کے طور پر
6. عدم استطاعت کے باوجود قرض لے کر اس کا اہتمام کرنا
7. تعاون، ہدیہ اور صلہ رحمی کے طور پر

اوّل الذکر چھ کی چھ صورتوں میں یہ ایک محض رسم ہے، اس لیے ناجائز ہے۔ اور اس ناجائز صورت میں اکثر و بیشتر مذکورہ ساری ہی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے جہیز کی رسم تمام مذکورہ خرابیوں کا مجموعہ ہے، اسے کس طرح جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس میں شان و شوکت کا اظہار بھی ہوتا ہے، نمود و نمائش کا جذبہ بھی۔ اسراف و تبذیر کی حد تک اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لیے ہر چیز دینے کی کوشش کی جاتی ہے، چاہے ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو اور لڑکے والوں کے پاس اتنا غیر ضروری سامان رکھنے کی جگہ بھی ہو یا نہ ہو۔

جس کے پاس استطاعت نہیں ہوتی، وہ قرض لے کر، حتیٰ کہ قرض حسنہ نہ ملے تو سود پر قرض لے کر یہ رسم پوری کرتا ہے۔

بھرپور جہیز دینے میں وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ بھی کار فرما ہوتا ہے۔ بالخصوص اصحابِ حیثیت اس نیّت سے لاکھوں روپے جہیز کی نذر کر دیتے ہیں اور پھر واقعی ان کے بیٹے اپنے صاحب جائداد باپ کی وفات کی بعد اپنی بہنوں کو وراثت سے ان کا شرعی حق نہیں دیتے اور یہی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ باپ نے جہیز کی صورت میں اپنی بیٹیوں کو جو دینا تھا دے دیا، اب یہ ساری جائداد صرف بیٹوں کی ہے۔ اس طرح یہ رسم ہندوؤں کی نقل ہے۔ ہندو مذہب میں وراثت میں لڑکیوں کا حصہ نہیں ہے، اس لیے وہ شادی کے موقعے پر لڑکی کو 'دان' دے دیتے ہیں۔ یہی دان کا تصور (وراثت سے محرومی کا بدل) مسلمانوں میں جہیز کے نام سے اختیار کر لیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ اگر جہیز میں مذکورہ تصورات کار فرما ہوں تو جہیز کی یہ رسم سراسر ناجائز ہے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اس کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے، کیونکہ جہیز دینے والے بالعموم ایسے ہی تصوارت کے تحت جہیز دیتے ہیں اور اس رسم کو بھی پورا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں۔

جہیز کی جائز صورت

البتہ جہیز کی ایک جائز صورت بھی ہے جس کا ذکر ساتویں شکل میں کیا گیا ہے اور وہ ہے تعاون، صلہ رحمی اور ہدیے (تحفے، عطیے) کے طور پر اپنی لڑکی کو شادی کے موقعے پر کچھ دینا۔

اسلام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اس طرح ایک دوسرے کو ہدیہ، تحفہ دینے کی بھی ترغیب ہے۔ اور اگر تعاون یا ہدیے کا معاملہ اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ کیا جائے تو اس کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے اور اس کی بھی بڑی تاکید ہے اور اس کو دگنے اجر کا باعث بتلایا گیا ہے۔

اس اعتبار سے اپنی بچی کو، اگر وہ واقعی ضرورت مند ہے یا بطورِ تحفہ کچھ دینا، بالکل جائز، بلکہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ والدین اپنی طاقت کے مطابق اس کی ضروریات پوری کریں۔

اس کے لیے قرض لے کر زیر بار نہ ہوں۔

نمائش اور رسم کے طور پر ایسا نہ کریں۔

ضروریاتِ زندگی کی اس فراہمی میں شادی کے موقعے پر ضروریات کا جائزہ لیے بغیر تعاون کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ شادی کے بعد دیکھا جائے کہ اس گھر میں کن چیزوں کی ضرورت ہے اور لڑکے والے اُن کو مہیا کرنے سے واقعی قاصر ہیں، تو اُن کو وہ اشیا مہیا کرنے میں حسبِ استطاعت ان سے تعاون کیا جائے لیکن حسبِ ذیل شرائط کے ساتھ

اس تعاون کو وراثت کا بدل سمجھ کر اسے وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ نہ ہو۔

بیک وقت تعاون کی استطاعت نہ ہو تو مختلف اوقات میں تعاون کر دیا جائے۔

اگر بچی کو گھریلو اشیائے ضرورت کی ضرورت نہ ہو اور والدین صاحب استطاعت ہوں اور وہ بچی کو تحفہ دینا چاہتے ہوں تو داماد کی مالی پوزیشن کے مطابق اس کو ایسا تحفہ دیں جس سے اس کا مستقبل بہتر ہو سکے۔ مثلاً، اس کے پاس سرمائے کی کمی ہے جس کی وجہ سے وہ کاروباری مشکلات کا شکار ہے، اس کو نقد رقم کی صورت میں ہدیہ دے دیا جائے تا کہ وہ اپنا کاروبار بہتر

کر سکے، یا اُس کو پلاٹ لے دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنا مکان بنا سکے، اگر اس کے پاس مکان نہیں ہے یا وہ مشترکہ خاندان میں رہائش پذیر ہے اور وہاں جگہ کی تنگی ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ پلاٹ، یا گھر کی تعمیر، یا کاروبار میں مالی تعاون میاں بیوی (بیٹی اور داماد) کے لیے ایسا بہترین تحفہ ہے جو صرف انہی کے نہیں بلکہ آئندہ نسل کے بھی کام آئے گا۔ نیز تعاون کی ایسی صورت ہے جس میں رسم، نمود و نمائش، بلا ضرورت زیر بار ہونے کی کار فرمائی نہیں بلکہ خیر خواہی اور تعاون کا صحیح جذبہ ہے جو عند اللہ نہایت پسندیدہ ہے۔

یہ جہیز نہیں بلکہ صلہ رحمی، تعاون اور خیر خواہی ہے

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اس صورت کو جہیز نہیں کہنا چاہیے بلکہ یہ تعاون اور صلہ رحمی یا ہدیہ ہے۔ جہیز کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ احادیث میں اس مروّجہ جہیز کا کوئی ذکر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی متعدد ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی چار بیٹیوں میں سے کسی ایک بیٹی کو بھی۔

قبل از نبوت اور بعد از نبوت۔ جہیز نہیں دیا۔ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت مشہور ہے کہ آپ نے اُن کو تین چار چیزیں بطورِ جہیز دی تھیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، اس کا کوئی تعلق مروّجہ رسم جہیز سے نہیں ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

عربی زبان میں تجہیز (جہیز بنانے) کا مفہوم

جہیز، عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ جہاز (سامان) ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ﴾ (سورۃ یوسف : 59)

''جب (یوسف کے کارندوں نے) برادرانِ یوسف کا (واپسی کا) سامان (سفر) تیار کر دیا۔''

جَهَّزَ (باب تفعیل) کے معنی ہیں: اس نے سامان تیار کیا۔ ہر موقعے کے لیے الگ الگ سامان ہوتا ہے، اس کے حساب سے اس کے ساتھ یہ لفظ لگ کر اپنا مفہوم ادا کرتا ہے۔ جیسے جہاز العروس (دلہن کو تیار کرنا)، جہاز المیت (میت کا سامان تیار کرنا)، جہاز السفر (سفر کا سامان)، جہاز الغازی (غازی کو سامان اسلحہ وغیرہ دینا)۔

احادیث میں یہ لفظ دو موقعوں کے لیے استعمال ہوا ہے: ایک غازی کے لیے اس کو میدانِ کارزار میں کام آنے والی اشیا (خَود، زرہ، اسلحہ وغیرہ) مہیا کر کے تیار کرنا۔ دوسرا دلہن کو شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے یعنی اُس کو عمدہ لباس وغیرہ سے آراستہ کر کے دولہا کے پاس بھیجنا۔ چنانچہ احادیث میں تین خواتین کا ذکر اس ضمن میں ملتا ہے۔ ایک سیدہ صفیہ، دوسرا سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور تیسرا سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا۔

جنگِ خیبر میں واپسی پر رسول ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا تھا، اس حدیث میں آتا ہے:

جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ (صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب مایذکر فی الفخذ)

''سیدہ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا اور اُن کو شب باشی کی لیے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔''

نجاشی (شاہ حبشہ) کی طرف سے سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو، ان کا نکاح بذریعہ وکالت نبی ﷺ کے ساتھ کر کے، نبی ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی جناب شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ اس حدیث میں آتا ہے:

ثُمَّ جَهَّزَهَا مِنْ عِنْدِهِ وَ بُعِثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وجَهازُهَا كُلُّ مِنْ عِندِ النَّجاشيِّ

(مسند احمد: 6/427)

''پھر نجاشی نے سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس سے تیار کیا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا... اور اُن کی ساری تیاری نجاشی کی طرف سے تھی۔''

ان دونوں احادیث میں تجہیز دلہن سازی، یعنی دلہن کو عروسی لباس اور آرائش وزیبائش سے آراستہ کرنے کے معنی میں ہے۔ أثاث البیت (گھریلو سامان) دینے کے معنیٰ میں نہیں ہے جس کو آج کل جہیز کا نام دے دیا گیا ہے، حالانکہ ان احادیث میں جہیز کا لفظ ان معنوں میں ہرگز استعمال نہیں ہوا ہے۔ مسند احمد میں مزید جھاز کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہاں حق مہر کی ادائیگی ہے جو کہ سامانِ آرائش وزیبائش کے علاوہ مکمل طور پر نجاشی ہی کی طرف سے ادا کیا گیا تھا، اس لیے

جَهازُهَا كُلُّ مِنْ عِندِ النَّجاشيِّ

کہا گیا ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز

رہا تیسرا واقعہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دینے کا، جس سے جہیز کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس واقعے پر غور و خوض کرنے اور اس سے متعلقہ روایات کے مختلف طرق کا جائزہ لینے سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا تعلق بھی أثاث البیت (گھریلو سامانِ ضرورت) سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی دراصل دلہن کو پہلی مرتبہ دولہا کے پاس بھیجنے ہی کی تیاری تھی اور اس موقعے پر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو چیزیں دی تھیں، ان کا تعلق رات کو سونے کیلیے کام آنے والی چیزوں

سے تھا، جیسے چادر، تکیہ، پانی کی مشک۔ جیسے سنن نسائی میں ہے:

جهّزَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَاطِمَةَ فِي خَمِيلٍ، وَقِرْبَةٍ، وَوِسَادَةٍ حَشْوُهَا إِذْخِرٌ

سنن نسائی، کتاب النکاح، باب جهاز الرجل ابنته

"رسول اللہ ﷺ نے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کے لیے) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا، ایک چادر، مشک اور تکیہ کے ساتھ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔"

اس روایت میں جز اور جہاز کے معنی وہی ہیں جو اس سے پہلے سیدہ صفیہ اور سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہماوالی دونوں حدیثوں میں اس لفظ کے گزرے ہیں یعنی دلہن کو شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے دولہا کے پاس بھیجنا۔ چنانچہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے متعلقہ روایت، جس میں آتا ہے:

جَهَّزَتْهَا أُمّ سُلَيْمٍ، فأهْدَتْهَاإِلَيهِ مِنَ اللّيْلِ

"اُن کو سیدہ امّ سلیم نے تیار کر کے (دلہن بنا کر) شب باشی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔"

اس روایت کو امام نسائی باب البناء في السفر میں لائے ہیں۔ بناء کا لفظ شبِ زفاف ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ کی اس تبویب اور اس کے تحت "جہّز تہا" والی روایت درج کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ "جہّز" کے معنی دلہن سازی کے ہیں، نہ کہ سامانِ جہیز کے۔

ہماری بیان کردہ وضاحت کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ سیدہ فاطمہ سے متعلقہ روایت سنن ابن ماجہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے اور وہ دونوں ایک چادر (خمیل) میں تھے۔

قَدْ كَانَ رَسولُ اللهِ صَلّى اللهُ عليه وسلّمَ جَهّزَهُمَا بِها، وَوِسَادَةٍ مَحْشُوّةٍ إِذْخِرًا وَقِرْبَةٍ

"اس چادر کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو تیار کیا تھا اور ایک تکیہ، اِذخر گھاس کا بھرا ہوا، اور ایک مشک بھی عنایت کی تھی۔"

امام ابن ماجہ نے اس روایت کو باب ضجاع آل محمد ﷺ کے تحت بیان کیا ہے۔ یعنی "آل محمد (محمد ﷺ کے گھرانے) کا بستر۔"

امام ابن ماجہ کی اس تبویب سے بھی واضح ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلقہ روایت میں جہیز کے معنی شب باشی کے سامان یا شب باشی کے لیے تیار کرنا ہیں، نہ کہ مروّجہ سامانِ جہیز کے۔

احادیث میں ان تین واقعات کے علاوہ (سوائے حدیث جہاد من جہز غازیا... الحدیث کے) تجہیز کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے، بالخصوص شادی بیاہ کے مسائل میں اور ان تینوں واقعات میں جس سیاق میں یہ لفظ آیا ہے، اس کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے مروّجہ جہیز مراد لینا یکسر بے جواز اور خلافِ واقعہ ہے۔ بنابریں پورے یقین اور قطعیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مروّجہ جہیز کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔

ستم ظریفی کی انتہا

اور یہ تو ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ لڑکی والوں سے اپنی پسند اور خواہش کے مطابق جہیز کا مطالبہ کیا جائے حالانکہ لڑکی کے ماں باپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ وہ بچی کو ناز و نعمت میں پال کر اور اسے تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اللہ کے حکم کی وجہ سے اپنے دل کے ٹکڑے کو دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس احسان مندی کے بجائے ان سے مطالبات کے ذریعے سے احسان فراموشی کا اظہار کیا جاتا ہے جب کہ اللہ کا حکم احسان کے بدلے احسان کرنے کا ہے:

﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾

(سورۃ الرحمٰن:60)

نہ کہ محسن کے لیے عرصۂ حیات تنگ کرنے کا۔ یا بھاری بھر کم جہیز نہ لانے پر لڑکی کا جینا دو بھر کر دینے کا حتیٰ کہ اس کو خود کشی تک کر دینے پر مجبور کر دینا۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوام (عورت کا محافظ، نگران اور بالا دست)

﴿الرِّجَالُ قَوّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾

(سورۃ النساء:34)

بنایا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عورت کی مالی ضروریات پوری کرتا ہے، مرد اپنے اس مقام و مرتبہ کو فراموش کر کے عورت سے لینے کا مطالبہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے سببِ فضیلت

﴿وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾

یعنی معاشی و مالی کفالت کی ذمے داری، کے بھی خلاف ہے اور اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی منافی۔

بہرحال جس حیثیت سے بھی اس رسم کو دیکھا جائے، اس کی شناعت و قباحت واضح ہو جاتی ہے۔

شادی بیاہ کی فضولیات اور رسومات پر ایک اخباری فیچر، بارات اور جہیز کے علاوہ شادی کے رسوم و رواج میں جن فضولیات کا اہتمام ہوتا ہے، ان کی تفصیل کافی لمبی ہے اور نہایت ہوش ربا بھی۔ چند سال قبل روزنامہ "جنگ" کے ایک فیچر نگار نے ان تفصیلات پر مبنی ایک مفصل فیچر لکھا تھا جو اخبار مذکور کے سنڈے میگزین (2003ء) میں شائع ہوا تھا، جو بقول ایک شاعر کے

خوش تر آں باشد کہ سرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

کا مصداق ہے۔

یہ فیچر راقم کی کتاب "مسنون نکاح" مطبوعہ دارالسلام میں درج ہے۔ قارئین اس کتاب میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ (جاری ہے)

پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ ہم اسی کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں، اسی پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں اور اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے وہی صاحبِ ہدایت ہے۔ اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا، امانت ادا کر دی، امت کو نصیحت کی اور اللہ کی راہ میں کما حقہ جہاد کیا، یہاں تک کہ وہ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے اہل بیت پر، صحابہ کرام پر، اور قیامت تک آپ ﷺ کی ہدایت پر عمل کرنے والوں اور سنت کے پیروکاروں پر۔

بعد ازاں! بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ محمد بن عبد اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

اللہ کے بندو! اللہ کے احکام کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ جن چیزوں سے اس نے منع کیا اور ڈانٹا ہے ان سے بچ جاؤ۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورۃ النساء: 1)

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔"

اے مسلمانو! صلہ رحمی، مودت، اچھا ساتھ اور محبت، ساتھ نبھانا، وفا داری کرنا اور اخوت کا خیال کرنا، یہ سب عبادتیں ہیں، اللہ کا قرب کمانے کے ذرائع ہیں، بلکہ ایسے حقوق ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے، اور جن پر اجر وثواب کا وعدہ کیا ہے، انہیں چھوڑنے پر گناہ اور سزا کی وعید سنائی ہے۔ ان احکام کی ابتداء والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے ہوتی ہے، پھر حقوق الزوجین ہیں، پھر صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا تعلق ہے، پھر ہمسایوں اور دوستوں کے حقوق ہیں، اور پھر اجنبی مسلمانوں کے حقوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (سورۃ الحجرات: 10)

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

اسی طرح فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾

"تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو۔" (سورۃ الانفال: 1)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا يُؤْمِنُ أحدُكم حتّى يُحِبّ لأخيه ما يُحِبُّ لِنَفْسِهِ" (متفق علیہ)

"تم میں سے کوئی شخص صحیح معنوں میں مومن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرنے لگے جو خود کے لیے کرتا ہے۔"

اسی طرح سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"مثل المؤمنين في توادهم، وتراحمهم، وتعاطفهم مثلُ الجسدِ إذا اشتكى منه عضوٌ تداعى له سائرُ الجسدِ بالسّهَرِ والحُمّى" (صحیح مسلم)

"اہلِ ایمان کی مودت، رحم دلی، اور باہمی شفقت کی مثال ایک جسم کی سی ہے، جس کا ایک حصہ تکلیف میں ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں رہتا ہے۔"

سنو! اس مودت، رحم دلی اور شفقت کے سب سے بڑے حقدار قریب ترین تعلق دار ہیں، جن کا آپ سے تعلق رحمِ مادر سے جڑا ہوا ہے۔ اسلام نے ایسے لوگوں میں اتحاد واتفاق اور یکسانیت قائم رکھنے کی بہت کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورۃ الروم: 38)
"قرابت دار، مسکین اور غربت زدہ مسافر کو اس کا حق دے دو کہ یہ ان لوگوں کے حق میں خیر ہے جو رضائے الٰہی کے طلب گار ہیں اور وہی حقیقتاً نجات حاصل کرنے والے ہیں۔"

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ كان يؤمِنُ باللهِ واليومِ الآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ" (صحیح بخاری)

"جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ صلہ رحمی کرے۔"

اے لوگو! لڑائی، جھگڑے اور نفرت، قطع تعلقی، ناراضگی اور دوری، کینہ اور کدورتیں، دشمنی اور بغض اور دل میں رنجشوں کو بڑھانے والا حسد اور کینہ وغیرہ، یہ سب چیزیں خرابی اور فساد کی جڑ سمجھی جاتی ہیں، ان ہی کی وجہ سے قطع رحمی کی جاتی ہے اور رشتہ داروں سے تعلق ٹوٹتے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے زوجین میں اور پیاروں میں جدائیاں ہوتی ہیں، ان ہی کی وجہ سے بھائیوں اور دوستوں کے تعلق خراب ہوتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، ولا تَجَسَّسُوا، ولا تَحَسَّسُوا، وَلَا يَبِعْ أَحَدُكُمْ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا كما أمَركم اللهُ، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى هَاهُنَا -وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ-، بِحَسْبِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ"

"ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو، ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو، ایک دوسرے سے قطع تعلقی نہ کرو، ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، ایک دوسرے کی ٹوہ نہ لگاؤ، کوئی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے، اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے، تقویٰ یہاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین دفعہ اشارہ کرکے یہ جملہ دہرایا۔ انسان کی اتنی برائی کیا کم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنے لگے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے محترم ہے۔ اس کا خون، اس کا مال، اور اس کی عزت آبرو۔" (صحیح مسلم)

اے مسلمانو! سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے اور دل پھٹنے لگتا ہے، جب ہم دیکھتے اور سنتے ہیں کہ ایک ہی خاندان کے لوگوں میں قطع تعلقی اور دوری آگئی ہے۔ شیطان نے ان کے درمیان آکر انہیں بکھیر دیا، ان کی وحدت کو پاش پاش کر دیا۔

"وما مِنْ ذنبٍ أحرى أن يُعجِّلَ اللهُ العقوبةَ لصاحبِهِ في الدنيا، مع ما يدخِرُ له في الآخرة، مِنَ البغي، وقطيعةِ الرحمِ".

"کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے بارے میں سب سے زیادہ یہ خیال کیا جاسکتا ہو کہ اللہ اس کی سزا دنیا میں بھی دے گا اور آخرت کی سزا بھی تیار رکھے گا، سوائے ظلم اور قطع رحمی کے۔"

سنو! تعلق بحال کرنے اور حال چال پوچھنے کو غیر اہم سمجھنے سے الفت و محبت جاتی رہتی ہے، اس کی وجہ سے اولاد کی تربیت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ تو اللہ کے بندو! تعلق بحال رکھا کرو، رابطہ رکھنے اور زیارت کرنے میں پہل کیا کرو، تعلق توڑنے سے گریز کرو، محبت و مودت کے جذبات کو زندہ رکھو۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (سورۃ آل عمران: 103)

"سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔"

اللہ کے بندو! لوگوں کو معاف کرنا اور ان سے درگزر کرنا، غصہ پی جانا اور ان کی اذیتوں کو برداشت کرنا اللہ کا قرب دلانے والی بہترین عبادت ہے، اس کے سب سے بڑے حقدار قریبی رشتہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ * الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

"دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی * جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔" (سورۃ آل عمران:133-134)

اسی طرح فرمایا:

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (سورۃ الشوریٰ:43)

"اور یقیناً جو صبر کرے اور معاف کر دے تو اس کا یہ عمل بڑے حوصلے کا کام ہے۔"

اسی طرح فرمایا:

﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾

"برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔" (سورۃ الشوریٰ:40)

تو اپنے نفس کو عفو و درگزر کی عادت ڈالو اور اللہ سے

اجر کی امید رکھو۔ ایک دوسرے کو صبر اور رحمت کی تلقین کرو۔ اللہ سے ڈرو اور اپنے اختلافات دور کرو، اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ یقیناً! وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اسی نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور پھر اس سے نسب اور سسرال کے دو الگ سلسلے چلائے۔ اسی نے صلہ رحمی کا حکم دیا اور اس پر اجر عظیم کو مترتب کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں گواہی کا اقرار کرتا ہے اور اسے ذخیرہ سمجھتا ہوں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ لوگوں سب سے زیادہ قدر والے ہیں۔ بلند ترین نام والے ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور بیش بہا سلامتی ہو آپ ﷺ پر، اہل بیت پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔

اے لوگو! صلح ہی اچھی ہے۔ یہ بھی ایک عظیم عبادت ہے۔ صلح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کتنی جانوں، کتنے اموال اور کتنی عزتوں کو بچاتا ہے، کتنے فتنوں سے حفاظت عطا فرماتا ہے، کتنے جھگڑوں کا خاتمہ فرماتا ہے، کتنی دوریوں اور دل کی کدورتوں کا ازالہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صلح کرنے اور کرانے کا حکم دیا ہے، فتنوں، جھگڑوں اور تنازعوں کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا کہا ہے، دراڑوں کو پر کرنے، کینہ کو بھول جانے اور کدورتوں کو پس پشت ڈالنے کا کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (سورۃ الحجرات: 10)

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

اسی طرح فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [الأنفال:1]

"تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو"

اسی طرح فرمایا:

﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ النساء: 114)

"لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ و خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے، اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا اُسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔"

تو بہت عظیم اجر والی عبادت، پاکیزہ ترین کاموں اور نیکیوں میں صلح کرانا بھی شامل ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ، قَالَ: تَعْدِلُ بَيْنَ الِاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ وَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا، أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ، وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِيطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ" (متفق علیہ)

"ہر جوڑ کے بدلے انسان کے لیے صدقہ دینا لازمی ہے، وہ بھی ہر طلوعِ آفتاب کے ساتھ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دو بندوں کے درمیان عدل کر دینا بھی صدقہ ہے، کسی کی مدد کر کے اسے سواری پر بیٹھا دینا بھی صدقہ ہے، اس کا سامان سواری پر رکھوا دینا بھی صدقہ ہے، اچھا بول بھی صدقہ ہے، نماز کی طرف اٹھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔"

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"أفضلُ الصدقةِ إصلاحُ ذاتِ البينِ"(رواه الطبراني).

"بہترین صدقہ لوگوں میں صلح کرانا ہے۔"

بعد ازاں! اللہ کے بندو! صلح سے امت کو وحدت ملتی ہے، یہ یکجان ہو جاتی ہے، نفس پاکیزہ ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ دلوں کو جوڑتا ہے، اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ جدائی، تنازعہ اور دوری سے بچاتا ہے، اسی کے ذریعے درپیش مصیبتوں کا خاتمہ بھی کرتا ہے، اسی کی بدولت امت اسلامیہ ایک سیسہ پلائی دیوار کی مانند بن جاتی ہے، ایک جسم کی طرح بن جاتی ہے، جس کا ایک حصہ تکلیف میں ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں رہتا ہے۔ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ"

"کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں جس کا درجہ روزہ، نماز اور صدقے سے بھی زیادہ ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی بالکل، ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الحَالِقَةُ"

"لوگوں میں صلح قائم رہنا۔ کیونکہ لڑائی تو مونڈ دینے والی چیز ہے۔"

موڈ دینے والی چیز سے مراد دین اور اجر کو ختم کرنے والی چیز ہے۔ تو اللہ سے ڈرو اور حقداروں کو ان کے حقوق دو۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الْقَرْنَاءِ"

"قیامت کے دن تم سب کے حقوق ادا کروگے، یہاں تک کہ بے سینگ والی بھیڑ بکریوں کا بدلہ سینگ والی بھیڑ بکریوں سے لیا جائے گا۔" (صحیح مسلم)

تو اللہ کے بندو! اپنے نفس کا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے، موت سے پہلے اپنی ذمہ داریاں ادا کر دو، حقداروں کے حقوق ادا کر دو۔ مظلوموں کو ان کا حق لوٹا دو، ہر حقدار کو اس کا حق دے دو۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ (سورة المائدة: 8)

"کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔"

اے اللہ! ہمیں حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرما، صلح رحمی میں ہماری مدد فرما۔ اے اللہ! ہمارے اختلافات دور فرما دے! ہمارے دلوں کو کدورت، حسد اور دھوکے سے پاکیزہ فرما۔ اے اللہ! زندگی کو نیکیوں میں اضافے کا ذریعہ بنا اور موت کو ہر برائی سے نجات کا سبب بنا۔ اے اللہ! حقوق کی ادائیگی میں ہماری مدد فرما۔ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم اٹھا نہ سکیں، ہمیں وفا دار اور پرہیز گار بنا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! ہمیں معاف فرما اور ان لوگوں کو بھی معاف فرما جن کا ہم پر کوئی حق ہے۔

اے اللہ! ہمارے لیے ایمان کو محبوب بنا اور ہمارے دلوں میں اسے مزین فرما۔ کفر، گناہ اور نافرمانی کو ہمارے دلوں میں ناپسند فرما۔ ہمیں راست باز لوگوں میں شامل فرما۔

اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت قدمی نصیب فرما!

اے اللہ! اے دلوں حا حال بدلنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین کی طرف لے آ!

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

"پروردگار! جب تو ہمیں سیدھے رستہ پر لگا چکا ہے، تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاض حقیقی ہے۔" (سورة آل عمران: 8)

اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرما! اے اللہ! اپنے دین، اپنی کتاب، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرما۔

اے اللہ! دنیا میں بھی ہمیں بھلائی دے، آخرت میں بھی ہمیں بھلائی دے۔ اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا!

اے اللہ! ہمارے حکمران، خادم حرمین کو اپنی توفیق عطا فرما! اس کی تائید فرما!

اے اللہ! اسے اور اس کے ولی عہد کو ان کاموں کی توفیق عطا فرما جن سے تو خوش اور راضی ہوتا ہے۔ اے دعا سننے والے!

اے اللہ! اس ملک کو امن وسلامتی نصیب فرما! اسی طرح سارے اسلامی ممالک کو بھی محفوظ فرما! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!

اے اللہ! ہمارے سرحدوں کی حفاظت فرما! ہمارے پہرہ دار جوانوں کی مدد فرما۔ اے قوت اور عزت والے!

اے اللہ! ہمارے نفس کو پرہیز گار بنا۔ اسے پاکیزہ فرما! تو ہی اسے بہترین طریقے سے پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی ان کا ولی اور مولی ہے۔

اللہ کے بندو! اللہ عظیم وجلیل کو یاد کرو، وہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، وہ تمہیں مزید عطا فرمائے گا۔

﴿وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾ (سورة العنكبوت: 45)

"اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے اللہ جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔"

☆☆☆

شیخ الاسلام الامام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"متقی ہونے کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ ان سے کبھی کوئی گناہ ہی سرزد نہ ہو، یا وہ خطا و معصیت سے معصوم پیدا کیے گئے ہوں، اگر ایسی کوئی شرط ہوتی تو پوری امت میں کوئی بھی متقی نہ ہوتا۔ متقی تو وہ ہے جو اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور جو گناہوں کو مٹا دینے والی نیکیاں کرتا ہے۔"

(منہاج السنۃ النبویہ: 7/82)

☆☆☆

امام ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر کسی شخص کے گناہ ساری کائنات کے برابر بھی ہوں مگر جب وہ اللہ سے ملے تو سنت (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ملے تو وہ شخص جنت میں نبیین، صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا اور یہ بہت اچھی رفاقت ہے۔"

(ذم الکلام واہلہ: 5/76)

☆☆☆

احسان ونعمت پر شکر گزاری

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَشْكُرُ اللهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في شكر المعروف: 4811- مسند أحمد: 203/2- سلسلة الأحاديث الصحيحة:416)

”جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا؛ وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔“

چونکہ لوگوں کا شکریہ ادا کرنا بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی شکر گزاری ہوتی ہے، کیونکہ جس احسان پر کسی محسن کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اسے وہ احسان کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے ہی دی ہوتی ہے، اس لیے محسن کا شکریہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے، اس لیے یہ فرمایا کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا حقیقت میں وہ اللہ کا شکر گزار نہیں ہوتا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أَنَّ الْمُهَاجِرِينَ قَالُوا لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: ذَهَبَتِ الْأَنْصَارُ بِالْأَجْرِ كُلِّهِ، قَالَ: «لَا، مَا دَعَوْتُمُ اللهَ لَهُمْ وَأَثْنَيْتُمْ»(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في شكر المعروف: 4812- سنن ترمذي، أبواب صفة القيامة، باب منه:2483)

”مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ سارا ثواب تو انصار لے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، (تب تک تم بھی ثواب پاتے رہو گے) جب تک تم ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور ان کی نیکی کو سراہتے رہو گے۔“

مہاجرین کی مدینہ آمد پر انصار نے ان پر بہت سے احسانات کیے اور مواخاۃ قائم ہونے پر اپنے حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر ان کے ساتھ بھائی چارے کا اظہار کیا۔ ان کی انہی بڑی بڑی نیکیوں کی وجہ سے مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ سارا اجر وثواب تو انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اعمال ناموں میں لکھوا لیا ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک تم ان کے احسانات کے بدلے میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے طور پر ان کے لیے دعائیں کرتے رہو گے تب تک تم بھی ثواب کماتے رہو گے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهِ، فَإِنْ أَثْنَى بِهِ فَقَدْ شَكَرَهُ، وَمَنْ كَتَمَهُ فَقَدْ كَفَرَهُ، وَالْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ»(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في شكر المعروف: 4813- سنن ترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في المتشبع بما لم يعطه: 2034)

”جسے کوئی چیز دی جائے اور وہ استطاعت رکھتا ہو تو اسے بھی بدلے میں) کوئی چیز (دینی چاہیے، لیکن اگر وہ استطاعت نہیں رکھتا تو اس کی) یعنی وہ چیز دینے والے کی (تعریف کر دینی چاہیے، سو اگر اس نے اس کی تعریف کر دی تو اس نے اس کا شکریہ ادا کر دیا، لیکن اگر اس نے اسے چھپایا (یعنی تعریف بھی نہ کی) تو اس نے اس کی ناشکری کی اور جس نے نہ ملنے والی چیز پر شکم سیری کا اظہار کیا وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کے مانند ہے۔“

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَأَلَكُمْ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ أَتَى إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ، وَمَنِ اسْتَجَارَكُمْ بِاللهِ فَأَجِيرُوهُ» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الرجل يستعيذ من الرجل: 5109- مسند أحمد:68/2)

”جو تم سے اللہ کے نام پر (کوئی چیز) مانگے اس کو دو، جو تم سے پناہ مانگے اسے پناہ دو اور جو تمہارے ساتھ نیکی کرے اسے اس کا بدلہ دو، اگر تم (بدلے میں دینے کے لیے کوئی چیز) نہ پاؤ تو اس کے لیے دعا کر دیا کرو، یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ دے دیا ہے اور جو تم سے اور اللہ کے نام پر (دشمن وغیرہ سے) بچنے کے لیے پناہ چاہے تم اسے پناہ دو۔“

سیدنا یحییٰ بن عبداللہ بن صیفی نبی ﷺ سے مرسل روایت کرتے ہیں کہ

«مَنْ أُنْزِلَتْ إِلَيْهِ نِعْمَةٌ فَلْيَشْكُرْهُ»

”جس شخص کو کسی نعمت سے نوازا جائے تو اسے اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ، وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ»، قَالُوا: لِمَ؟ قَالَ: «لِكُفْرِهِنَّ»، قَالُوا: أَيَكْفُرْنَ بِاللهِ؟ قَالَ: «وَيَكْفُرْنَ الْعِشْرَةَ، وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ» (صحيح مسلم:907)

”میں نے جہنم کو دیکھا تو آج جیسا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا اور میں نے جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ایسا کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے کفر کی وجہ سے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں، بلکہ) وہ خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں اور (ان کے) احسان کو نہیں مانتی

ہیں، اگر تُو ان میں سے کسی پر زندگی بھر احسان کرتا رہے پھر وہ تجھ سے ذرہ سی بھی کوئی کمی محسوس کرے تو کہے گی کہ میں نے تو تجھ سے کبھی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے عورتوں کی فطری خصلت کا تذکرہ فرمایا ہے کہ عورت کبھی بھی اپنے خاوند سے خوش نہیں ہوتی بلکہ اس کے ہزارہا احسانات کے باوصف بھی اگر کبھی کوئی ذرہ سی تنگی آن پڑی تو پچھلے سارے احسانات بھول کر ناشکری کی زبان چلانے لگے گی کہ مجھے تو تم سے کبھی سکون ملا ہی نہیں ہے، ان کی اسی ناشکری، ناقدری اور احسان فراموشی کی وجہ سے آپ ﷺ نے جہنم میں انہی کی اکثریت دیکھی ہے۔

احسان جتلانے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى﴾

"تم اپنے صدقات وخیرات کو احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر ضائع مت کرو۔" (سورۃ البقرۃ:264)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: الْمَنَّانُ بِمَا أَعْطَى، وَالْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار، والمن بالعطية، وتنفيق السلعة بالحلف: 106- سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب ما جاء في إسبال الإزار: 4087- سنن ترمذی، أبواب البيوع، باب ما جاء فيمن حلف على سلعة كاذباً: 1211- سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب ما جاء في كراهية الأيمان في الشراء والبيع: 2208)

"تین لوگ ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت نہ تو بات کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا: کسی کو کچھ دے کر احسان جتلانے والا، اپنے تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور جھوٹی قسم اٹھا کر اپنے سامان کو بیچنے والا۔"

کسی مفلس وحاجت مند پر احسان فقط اللہ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے نہ کہ اس سے کسی صلے اور بدلے کی طمع رکھتے ہوئے احسان کا معاملہ کرنا چاہیے، اور جب کوئی احسان کر دیا جائے تو پھر اسے بھول جانا چاہیے اور اس کی جزا کی امید فقط اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے اور اپنے ممنون کو اپنے قول وفعل کسی بھی طرح سے اپنی احسان مندی باور نہیں کرانی چاہیے تاکہ اس کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو اور نہ ہی اس کے کسی ناپسندیدہ رویے کے ردِّ عمل میں اسے اپنے احسانات یاد دلا کر طعن وملامت کرنے جیسی غلیظ حرکت سے بھی اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ احسان جتلانے سے نہ صرف اس کا اجر وثواب ضائع ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی کلام، اس کی نظرِ رحمت اور تزکیے سے بھی محرومی ہو جاتی ہے۔

تواضع کا اظہار اور تکبر سے اجتناب

سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ»(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار: 2865- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في التواضع:4895-سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب البراءة من الكبر والتواضع:4179)

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ تم اس قدر عاجزی اختیار کرو کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔"

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِيمَانِ، الْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِيمَانِ» (سنن أبوداؤد، كتاب الترجل، الباب الأول: 4161- سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب من لا يؤبه له: 4118)

"سادگی ایمان کا حصہ ہے، سادگی ایمان کا حصہ ہے۔"

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ

ذَكَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمًا عِنْدَهُ الدُّنْيَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا تَسْمَعُونَ إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، الباب الأول: 4161- سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب من لا يؤبه له: 4118)

"ایک دن اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کے پاس دنیا کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم سنتے نہیں ہو؟ کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔"

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ تَوَاضَعَ لِي هَكَذَا، وَبَسَطَ كَفَّهُ الْيُمْنَى وَأَشَارَ بِبَطْنِهَا إِلَى الْأَرْضِ، رَفَعَهُ هَكَذَا، وَبَسَطَ كَفَّهُ الْيُمْنَى وَأَشَارَ بِبَطْنِهَا إِلَى السَّمَاءِ.» (مسند أحمد: 4/1 -4- صحيح الترغيب والترهيب:2894)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے لیے اس طرح جھک جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی دائیں ہتھیلی کو پھیلایا اور اس کے پیٹ (یعنی درمیانی حصے) سے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ اسے اللہ تعالیٰ اس طرح بلند فرما دیتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی دائیں ہتھیلی کو پھیلایا اور اس کے پیٹ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔"

نبی ﷺ نے تواضع کی ترغیب دیتے ہوئے عملی طرز کی مثال سے سمجھایا اور جھکنے کے الفاظ بولتے ہوئے اپنی ہتھیلی سے زمین کی طرف اشارہ کیا کہ یوں جھک جانا جیسے زمین کی طرح سب سے نیچے ہو جائے، اور اس کا انعام یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلندی کے حصول کے بابت بتلاتے ہوئے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس کے صلے میں اللہ تمہیں یوں بلندیاں عطا فرمائے گا جیسے یہ آسمان بلند ہے۔

حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ، كُلُّ ضَعِيفٍ مُسْتَضْعَفٍ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ، كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ

مُسْتَكْبِرٍ.» وَرُوِّينَا فِي غَيْرِ هَذِهِ الرِّوَايَةِ: «كُلُّ جَعْظَرِيٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ»(صحيح بخاری، كتاب الأدب، باب الكبر: 6071- صحيح مسلم، كتاب الجنة:2853)

"کیا میں تمہیں جنتی لوگوں کا نہ بتلاؤں؟ ہر کمزور اور تواضع اختیار کرنے والا شخص (جنتی ہے) اگر وہ اللہ پر قسم بھی ڈال دے تو اللہ اس کی قسم کو پوری کر دیتا ہے، کیا میں تمہیں جہنمی لوگوں کا نہ بتلاؤں؟ ہر اَکھڑ مزاج، اکڑ اکڑ کر چلنے والا اور تکبر کرنے والا (جہنمی ہے)۔"

واقف وناواقف کو سلام

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ : أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: «تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ»(صحيح بخاری، كتاب الإيمان، باب إفشاء السلام من الإسلام: 28-صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام، وأي أموره أفضل:39)

"ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اسلام کا کون سا کام بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (یہ کام کہ) تُو کھانا کھِلائے اور ہر واقف وناواقف شخص کو سلام کہے۔"

پہلے کون سلام کہے؟

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ»

(صحيح بخاری، كتاب الإستئذان، باب تسليم الصغير على الكبير:6234)

"چھوٹا بڑے کو سلام کہے گا، گزرنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو۔"

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ»

(صحيح بخاری: 6233- صحيح مسلم :2160)

"سوار پیدل کو سلام کہے، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو۔"

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الْمَاشِيَانِ إِذَا اجْتَمَعَا، فَأَيُّهُمَا بَدَأَ بِالسَّلَامِ فَهُوَ أَفْضَلُ. (الأدب المفرد للبخاری:143- صحيح ابن حبان: 1935- سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1146)

"دو چلنے والے جب اکٹھے ہوتے ہیں تو ان دونوں میں جو سلام میں پہل کرے وہی افضل ہے۔"

ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللهِ مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ» (سنن أبوداؤد: 5197- صحيح الجامع:2011)

"یقیناً لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو انہیں پہلے سلام کہے۔"

مندرجہ بالا احادیث میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ پہلے سلام کرنا کس کا فرض ہے؟ تو مختلف نوعیتوں کے حوالے سے مختلف لوگوں کا ذکر فرمایا، یعنی چھوٹا بڑے کو سلام کرے، راہ چلتا شخص بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں اور سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔

بہ وقتِ اجازت سلام

عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَتَى بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ بِتِلْقَاءِ وَجْهِهِ وَلَكِنْ عَنْ رُكْنِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ يَقُولُ: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ». وَذَلِكَ أَنَّ الدُّورَ يَوْمَئِذٍ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا سُتُورٌ. (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب كم مرة يسلّم الرجل في الاستئذان:5186-الأدب المفرد للبخاری:1085)

"رسول اللہ ﷺ جب کسی کے دروازے پر تشریف لاتے تو سیدھا دروازے کی طرف رُخ کر کے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ دروازے کے دائیں یا بائیں کونے میں کھڑے ہو جاتے اور السلام علیکم کہتے اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب گھروں (کے دروازاں) پر پردے نہیں ہوتے تھے۔"

گھر کے دروازے کے بالکل سامنے کھڑے ہونا نامناسب امر ہے، خاص طور پر جب گھر کے دروازے پہ پردہ نہ ہو، کیونکہ اس طرح گھر کے اندر نگاہ پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے اور گھر میں مستورات کے علاوہ بھی بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں جو سوائے اہلِ خانہ کے کسی اور کے دیکھنے کے لائق نہیں ہوتے، اس لیے نبی کریم ﷺ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تھے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

أَتَى عُمَرُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي مَشْرُبَةٍ فَقَالَ: «السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَيَدْخُلُ عُمَرُ؟» (سنن أبوداؤد: 5201- الأدب المفرد للبخاری:4108)

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے، جبکہ آپ ﷺ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کیا عمر اندر آ سکتا ہے؟"

ربعی بن حراش بیان کرتے ہیں کہ

جَاءَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرٍ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي بَيْتٍ فَقَالَ: أَلِجُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِخَادِمِهِ: «اخْرُجْ إِلَى هٰذَا وَعَلِّمْهُ الِاسْتِئْذَانَ» فَقَالَ لَهُ: قُلِ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ، فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلَ.

(سنن أبوداؤد:5177)

"نبی ﷺ گھر تشریف فرما تھے کہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور آپ ﷺ سے اجازت لیتے ہوئے بولا: کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس کے پاس باہر جا کر اسے اجازت لینے کا طریقہ بتاؤ، چنانچہ اس نے اسے جا کر کہا کہ یوں کہو: السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ اس نے جب ایسے کہا (تو نبی ﷺ نے اسے اجازت دے دی اور وہ اندر آ گیا۔"

☆☆☆

ترجمہ قرآن بزبان انگریزی پر نظر ثانی

یہ 4 اکتوبر 1978 کا دن تھا جب میں لندن سے ریاض روانہ ہوا۔ یہ سفر دار الافتاء کی جانب سے ایک خاص مقصد کے لیے تھا اور وہ یہ کہ سعودیہ کی طرف سے انگریزی زبان میں قرآن کی ترجمانی کے لیے کسی معتمد ترین ترجمے کا انتخاب کیا جائے اور پھر نہ صرف زبان کے اعتبار سے بلکہ عقائد کے لحاظ سے بھی اس کی اتنی اصلاح کی جائے کہ وہ انگریزی دان طبقے کے لیے صحیح رہنمائی کا باعث بن سکے اور اس مقصد کے لیے مجھ سے اور میرے رفیق سفر ڈاکٹر سید متولی الدرش سے قبل دو یا تین کمیٹیاں پہلے بھی اس اس موضوع پر کام کر چکی تھیں۔ انہوں نے زیادہ تر زبان و بیان کی باریکیوں کا لحاظ رکھا اور غالباً ہمارا کام مکمل ہونے کے سے پہلے ان کا ترجمہ 'الامانۃ' امریکہ کی طرف سے منظر عام پر آچکا تھا۔

ایسی ہی ایک کوشش فرانسیسی ترجمے اور اردو ترجمے سے بھی متعلق تھی جو پایہ تکمیل تک پہنچی اور شاہ فہد کمپلیکس سے شائع بھی ہوئی۔

ہمارے سامنے عبد اللہ یوسف علی کے (6310) حواشی تھے جو انہوں نے قرآن کی آیات کی مختصر تفسیر کے ضمن میں قلمبند کیے تھے، ہماری توجہ انہی حواشی پر رہی جس میں اس بات کا خیال رکھا جانا تھا کہ کوئی بات شریعت حقہ کے مسلمہ عقائد سے ٹکراتی ہوئی نہ پائی جائے اور ایسی کوئی تحریر ہو تو یا تو اسے حذف کر دیا جائے یا پھر اس کی اصلاح کر دی جائے۔

دار الافتاء کی عظیم بلڈنگ سے چند قدم کے فاصلے پر ہمارے مکتب کے دعاۃ کے لیے ایک مہمان خانہ بھی موجود تھا، اس میں 13 نمبر فلیٹ ہم دونوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ پہلے دن مراقبۃ المصاحف اور مطبوعات کے ڈیپارٹمنٹ میں متعدد شیوخ سے ملاقات رہی جن میں دعوۃ فی الخارج کے مدیر شیخ محمد بن قعود، مغربی ممالک کے امور دعوۃ سے متعلق جناب علی الغیث اور شیخ ابن باز کے نائب شیخ ابراہیم بن صالح آل الشیخ شامل تھے۔

میں اپنی اس تحریر میں ان چند شیوخ، احباب اور دوستوں کا مختصر تذکرہ کرتا چلوں گا جن سے ریاض کے قیام کے دوران ملاقات رہی یا انہوں نے ہمیں اپنے ہاں مدعو کیا۔

ڈاکٹر محمد احمد صالح

جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ میں شریعہ کے استاذ ہیں، نابینا ہیں لیکن خداداد حافظہ رکھتے ہیں، ان کا دولت کدہ علماء اور اہل قلم کی ضیافت اور پذیرائی کے لیے خصوصی مقام رکھتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے پہلی ملاقات لندن ہی میں ہوئی تھی، جب وہ موسم گرما کی تعطیلات گذارنے کے لیے برطانیہ تشریف لائے تھے۔ انہوں نے مغربی لندن کے ایک اسلامی مرکز کے قریب ڈیرہ ڈالا تھا، جس کے کرتا دھرتا افراد سے ان کی پہچان تھی اور پھر وہ اسی مرکز میں نماز کے لیے بھی تشریف لاتے اور وقتاً فوقتاً سامعین اور حاضرین کو اپنے مواعظ حسنہ سے بھی مستفید کرتے نظر آتے۔ میرا ان سے یہ تعلق ان کی سالانہ لندن یاترا کے طفیل ایک گہرے رشتہ اخوت میں تبدیل ہو گیا۔ ان کی جائے اقامت چند سالوں کے بعد برطانیہ کے کسی دوسرے شہر میں منتقل ہوتی رہی اور یوں وہ لندن سے برمنگھم، مانچسٹر اور بالآخر نیوکاسل کے اسیر ہو کر رہ گئے، جہاں مسجد توحید کے بانی مبانی حاجی موسیٰ سے ان کی لازوال دوستی دیکھنے کو ملی۔ ان شاء اللہ آئندہ سطور میں بھی ان کا تذکرہ آتا رہے گا۔

ان کے ہاں ظہرانہ تناول کرنے کا اتفاق ہوا۔ عصر کی نماز گھر سے قریب ترین مسجد میں ادا کی، یہاں اپنی ایک بدحواسی کا بھی تذکرہ کرتا چلوں کہ میں نے عصر کی نماز کے بعد اس خیال سے کہ میں نے ظہر کی نماز ادا کی ہے۔ 2 رکعت سنت بھی ادا کر ڈالی۔ یہ بات شیخ کے لیے بھی اور باقی نمازیوں کے لیے بھی تعجب کا باعث بنی۔

اگلے دن 6 اکتوبر (14 صفر 1408ھ) سے ہمارا دوام شروع ہو گیا۔

سعودی اصطلاح میں دوام سے مراد روزانہ مکتب میں کام کے اوقات کو کہا جاتا ہے، ہم نے آغاز قرآن سے ترجمے اور حواشی کا جائزہ لینا شروع کیا۔

ہمارا پہلا جمعہ کچھ بھاگ دوڑ کے بعد ادا ہو سکا، یعنی قریب ترین مسجد میں پہنچے جہاں پونے 12 بجے نماز کھڑی ہو چکی تھی، اس لیے ایک دوسری مسجد کی طرف لپکے، جہاں 12 بج کر 10 منٹ پر نماز ادا کی گئی جو ہمیں مل سکی۔

اگلے دو دنوں میں اپنے کام سے متعلق شیخ ابراہیم بن حسن آل الشیخ، ڈاکٹر عبد اللہ بن زید اور شیخ عبد اللہ بن رَدَن اور شیخ علی الغیث کے ساتھ مفصل اجتماعات میں شرکت کرتے رہے۔ شیخ اسماعیل عتیق پاکستان میں مکتب الدعوۃ سے متعلق رہے ہیں۔ ان سے پرانی یاد اللہ تھی۔ انہوں نے ظہرانے پر مدعو کیا تھا جہاں ان کی صحبت میں چند ساعتیں گزاریں۔

ایسے ہی شیخ ابراہیم آل الشیخ نے بھی العلیاء میں اپنے دولت کدہ پر بلا کر عزت افزائی کی۔ ایک نوجوان خطیب اور صحافی عبد العزیز مشعل ملاقات کے لیے تشریف لائے، ان کا میرے ساتھی سید متولی الدرش کے ساتھ خوب یارانہ تھا، ہمارا دوسرا جمعہ شیخ عبد العزیز کی مسجد میں ان ہی کی اقتدا میں ادا ہوا۔ اور پھر ان کی ضیافت کا مزا بھی اڑایا۔

ڈاکٹر محمد صالح کے گھر مصر کے ایک محقق عالم عبد الفتاح حلو سے ملاقات رہی۔ پھر شیخ عبد الرحمٰن عوین سے ہلکی پھلکی ملاقات رہی۔ عشائیہ شیخ عبد اللہ المدلج

کے ہاں تھا، جو مکہ جانے والی نئی شاہراہ پر واقع محلہ العلیا میں سکونت پذیر ہیں۔
انہوں نے متعدد شیوخ کو مدعو کر رکھا تھا جن میں ڈاکٹر حمد الماجد بھی تھے، جنہیں اب لندن کے اسلامک کلچرل سنٹر کا نائب مدیر مقرر کر دیا گیا ہے۔
الحمدللہ، گیارہ دنوں میں ہم بقدر پانچ پارے اپنا کام کر چکے تھے۔
سعودی اخبار سے معلوم ہوا کہ جنوبی برطانیہ کو سخت جھکڑ اور ہواؤں کے طوفان کا سامنا ہے، کئی جگہ درخت جڑوں سے اکھڑ کر سڑکوں پر یا گھروں پر جا گرے ہیں جس کے نتیجے میں کم از کم 13/ اشخاص دب دبا گئے ہیں۔ چنانچہ لندن فون کر کے اہل خانہ کی خیریت دریافت کی۔
ریاض میں ایک افسوسناک خبر ہماری منتظر تھی۔
شیخ عبد الرزاق عفیفی، انصار السنہ مصر کے سرکردہ عالم ہیں جو کئی سال سے سعودیہ میں مقیم ہیں، ہیئۃ کبار العلماء کے رکن ہیں، ان کے ایک نوجوان صاحبزادے گیس کا سلنڈر لے کر آئے اور اسے چولہے کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے کرتے حادثے کا شکار ہو گئے، سلنڈر ان کے منہ کے سامنے پھٹ گیا تھا جو ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔
مرکزی جامع مسجد میں بعد نماز عصر ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور پھر شیخ عبد اللہ المدلج کے ساتھ مقبرہ العود میں ان کی تدفین میں حاضری دی۔ اللہ تعالیٰ شیخ عفیفی کو صبر جمیل اور نعم البدل عطا فرمائے۔
انہیں اس حادثہ میں صبر کا پہاڑ پایا۔ ہمارا کام تقریباً سارا دن جاری رہتا تھا۔ دفتر کی طرف سے مغرب اور عشاء کے درمیان ہماری خدمت کے لیے ایک قہوہ جی کا بندوبست کر دیا گیا تھا یعنی وہ ہماری اور ہمارے مہمان حضرات کی قہوہ سے آؤ بھگت کرتا ہے۔ ایک دوسری مہربانی یہ فرمائی کہ ہمارے فلیٹ میں ٹیلی فون کی تار پہنچا دی گئی، چنانچہ اب ہم فون کرنے کی سہولت سے بخوبی استفادہ کر سکتے تھے۔
احباب میں سے ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی، جناب غلام نبی اور اقرباء میں سے برادرم آصف قریشی اور میرے بڑے بھائی شعیب حسن سے اولین رابطے کیے، بھائی شعیب عرصہ دراز سے جدہ میں مقیم ہیں، سعودی ائرلائنز کے ٹیکنیکل شعبے سے وابستہ ہیں۔
میں دار الافتاء کی ڈیوٹی کے ساتھ اپنی ذاتی مصروفیات سے بھی غافل نہ تھا۔ ان دنوں برمنگھم یونیورسٹی کے سیلی اوک کالج کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی تیاری کر رہا تھا اور اس مناسبت سے محدث نعیم بن حماد کی کتاب الفتن کے مہدی سے متعلق روایات کی تحقیق میرا موضع بحث تھی۔ رات کو یہ شغل جاری رہتا۔ ان بارہ تیرہ دنوں میں ساٹھ کے قریب روایات کا ترجمہ کر چکا تھا۔ مطالعے کے لیے ڈاکٹر عبد الحلیم محمود کی کتاب 'الاخوان المسلمون: احداث صنعت التاریخ' ہاتھ آئی جس کا مطالعہ بہت سے حقائق کو جاننے کا سبب بنا۔
دارالافتاء کے شیوخ نے ہماری پذیرائی اور عزت افزائی کا پورا پورا حق ادا کیا، بدھ 21/ اکتوبر کا ظہرانہ شیخ عبد اللہ بن بداح الردن کے ہاں جو محلہ الشفاء میں قیام پذیر تھے۔
دفتر میں دو پرانے احباب سے ملاقات ہوئی، ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے امیر، بہت سی کتابوں کے مؤلف مولانا مختار احمد ندوی اور آسٹریلیا میں دارالافتاء کے پاکستانی مبعوث ڈاکٹر شفیق الرحمٰن خان۔
22/ کی شام دار الافتاء کے ایک ساتھی عبد الرحمٰن عوین نے مدعو کر رکھا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی میری طرح نسیان کا شکار ہو گئے تھے۔ شام کو بڑا انتظار کیا لیکن ان کا نام و نشان نہ تھا۔ ناچار گھر سے نکلنے اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے ایک مطعم کا سہارا لیا۔ برادر شفیق الرحمٰن کے ساتھ جناب غلام نبی کی زیارت کے لیے پیدل ہی نکل کھڑے ہوئے۔
23/ اکتوبر سے ماہِ ربیع الاول کا آغاز ہو گیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا، جمعہ ہم نے شارع عسیر سے پرے ایک مسجد میں ادا کیا۔ خطبہ اور آغاز سے 20، 30 منٹ میں فارغ کر دیا گیا۔ شام کو چند احباب ہمارے منتظر تھے۔ دو شیخ الدرش کے لیے اور قاضی محمد یوسف میرے لیے۔ قاضی محمد یوسف سے مشرقی افریقہ کے قیام کے دوران یوں رابطہ قائم ہوا کہ وہ ریاض میں ہمارے مالی معاملات کا خیال رکھتے تھے۔ دار الافتاء سے مشرقی افریقہ کے مبعوثین کی تنخواہوں کی وصولیاں اور پھر ہم تک ان کی ترسیل کا کام رضاکارانہ طور پر انہوں نے اپنے ذمے لے رکھا تھا اور پھر وقتاً فوقتاً جب کوئی مبعوث ریاض پہنچتا تو پھر اس کی ضیافت سے بھی غافل نہ رہتے، اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں سے انہیں بہت کچھ نوازے۔
اگلا دن ہفتہ تھا۔ شیخ ابن باز، ان کے سیکرٹری خاص شیخ ابو ناصر اور نگران قسم ترجمہ ہمارے دوست محمد لقمان سلفی مکہ مکرمہ سے واپس پہنچ گئے تھے۔ شیخ سے ان کے مکتب میں ملاقات ہوئی۔ آج کی ضیافت ہمارے مدیر جناب محمد ابراہیم بن قعود کے حصے میں آئی، جن کا گھر مکتب سے قریب ہی تھا۔
ہمارا دوام کا وقت صبح ساڑھے سات سے شروع ہو کر ڈھائی بجے تک جاری رہتا تھا، جس میں ساڑھے بارہ بجے کے قریب نماز ظہر دار الافتاء ہی کی مسجد میں ادا کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔
ہم اب سورۃ الانعام کے آخر تک مراجعت کر چکے تھے، یعنی کام اطمینان بخش رفتار کے ساتھ جاری تھا۔
اگلے روز کی مصروفیات میں ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن مدیر جامعۃ الامام محمد بن سعود سے ملاقات اور ادارہ تحفیظ القرآن کی زیارت شامل تھیں۔ راستے میں ایک جگہ رکے جہاں لندن کے ہمارے دوست رشید احمد صدیقی مقیم تھے اور ان کی معیت میں عمر فاروق مودودی سے بھی سلام و کلام ہو گیا۔ واپسی میں جب ڈاکٹر محمد احمد صالح کے ہاں جانا ہوا تو انہوں نے مجھے اور ڈاکٹر الدرش کو ایک چھوٹے حجم کا ٹرانسسٹر تحفۃً عطا کیا جو ہمارے لیے باہر کی دنیا سے ربط قائم کرنے کا ایک وسیلہ بنا۔ اب ہم سورۃ الاعراف تک پہنچ چکے تھے گویا قرآن کا ایک ثلث پورا کرنے کے قریب تھے۔ (جاری ہے)

جناب عبدالحی لکھنوی کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں :

و من الفقهاء من ليس لهم حظ إلا ضبط المسا ئل الفقهيه من دون المهارة فى الروايات الحديثية یعنی فقہاء فقہی مسائل کی ضبط و تحریر کی صلاحیت سے تو بہرہ ور ہیں لیکن روایات حدیث میں ان کو کوئی مہارت نہیں۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

فكم من كتاب معتمد اعتمد عليه أجلة الفقهاء مملو من الأحاديث الموضوعة و لاسيما الفتاوى فقد وضح لنا بتو سيع النظر ان أصحابهم وإن كا نوا من الكاملين لكنهم فى نقل الأخبار من المتساهلين (النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر:ص109، مجموعہ الرسائل الست، طبع لکھنؤ)۔ یعنی فقہ (حنفیہ) کی کتنی ہی معتبر کتابیں ہیں جن پر جلیل القدر فقہاء نے اعتماد کیا ہے کہ وہ موضوع احادیث سے مملو ہیں بالخصوص فقہی فتاوی کی کتابیں ہم بغور نظر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ گو ان کتابوں کے مصنف کامل فقیہہ تھے لیکن احادیث نقل کرنے میں وہ متساہل تھے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

إلا ترى إلى صاحب الهداية من أجلة الحنفية والرافعى شارح الوجيز من أجلة الشافعية مع كونهما ممن يشار إليه بالأنام ويعتمد عليه الا ماجد و الاماثل؟ قد ذكرا فى تصانيفهما ما لايوجد له أثر عند خبير بالحديث (الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ: ص30، مجموعۃ الرسائل السبع)۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ حنفیہ میں صاحب ہدایہ اور فقہائے شافعیہ میں امام رافعی (شارح وجیز) دونوں ایسے جلیل القدر فقہاء میں شمار کئے جاتے ہیں کہ جن کی علمی عظمت ورفعت کی طرف انگشت نمائی کی جاتی ہے اور بڑے بڑے نامور علماء وفقہاء ان کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن ان دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں ایسی ایسی چیزیں ذکر کی ہیں کہ علم حدیث سے باخبر شخص کے نزدیک ان کی کوئی بنیاد نہیں۔

اور سنئے !فرماتے ہیں :

و من المعلوم إن صاحب الهداية وغيره من أكابر الفقهاء و مؤلف احياء العلوم و غيره من أجلة العرفاء ليسوا من المحدثين (ظفر الامانی شرح مختصر الجرجانی:ص19) یہ بات معلوم و معروف ہے کہ صاحب ہدایہ اور دیگر اکابر فقہاء اور مولف احیاء العلوم (غزالی) اور دیگر جلیل القدر علماء وعرفاء، محدث نہیں تھے۔

4۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی فقہاء کی اس کمزوری کا اعتراف فرمایا ہے اور اس کی وضاحت حجۃ اللہ البالغہ اور الانصاف وغیرہ میں فرمائی ہے۔

5۔ امام احمد کا یہ قول پہلے گذر چکا ہے کہ اصحاب ابوحنیفہ کو حدیث میں کوئی بصیرت اور مہارت حاصل نہیں ہے۔

6۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی علماء نے فقہاء کی حدیث دانی کے بارے میں اسی انداز کے تبصرے کئے ہیں جنہیں اختصار کے پیش نظر ہم نقل کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔

بہر حال مذکورہ اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ فقہاء بالخصوص فقہائے حنفیہ محدث نہیں ہیں۔ لہذا ان کی مبینہ فقاہت بھی محل نظر ہے کیونکہ اجتہاد و تفقہ علم حدیث میں کامل مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے برعکس محدثین علم حدیث میں کامل مہارت رکھتے ہیں۔ وہ نرے دوا فروش (عطار) نہیں ہیں، طبیب یعنی فقیہ بھی ہیں اجتہاد و تفقہ کی صلاحیتوں سے پوری طرح بہرہ ور۔ گویا محدثین ہی اس مرتبہ علیا پر فائز ہیں کہ وہ بیک وقت بلند پایہ محدث بھی ہیں اور دقیقہ رس فقیہ بھی، نہ کہ فقہائے مقلدین کہ جن کی فکری کاوشوں کا محور و مبنی صرف اپنے خانہ ساز اصول و قواعد اور اپنے اساتذہ و آئمہ مذہب کے چند مخصوص اقوال و آراء ہیں۔

خلاصہ بحث

احناف کے اس تیسرے گروہ کی بابت بات کچھ لمبی ہو گئی ہے، لیکن دوسرے گروہ کی طرح اس کے طرز فکر و عمل کی وضاحت بھی نہایت ضروری تھی، اس کے بغیر اہل حدیث اور احناف کے مابین فقہی اختلافات کی نوعیت واضح نہیں ہوتی۔ خلاصہ اس اہم مبحث کا یہ ہے کہ احناف کی اپنے طرز عمل کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں : **پہلی قسم** امام ابوحنیفہ، ان کے تلامذہ خاص امام محمد و قاضی ابو یوسف اور دیگر وہ حضرات ہیں جو ان آئمہ ثلاثہ کی راہ پر چلنے والے ہیں۔ ان حضرات نے قرآن و حدیث کے نصوص کے احترام اور تقدس کو ملحوظ رکھا ہے اور نصوص کے مقابلے میں اپنے اجتہاد کو نہ صرف یہ کہ اہمیت نہیں دی بلکہ اس سے برملا رجوع کا اظہار کیا۔ رحمھم اللہ

ان کی بابت ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر ان سے کوئی اجتہادی غلطی ہوئی ہے تو یقیناوہ معذور وماجور ہیں،

ان سے اہل حدیث کا کوئی اختلاف بھی نہیں۔ یہ اپنے فکر و عمل کے اعتبار سے عامل بالحدیث ہیں مقلد ہر گز نہیں بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی اپنی تقلید سے روکا ہے۔

احناف کا دوسرا گروہ وہ ہے جو امام ابو حنیفہ کی تقلید کا دعوی کرتا ہے اور بیشتر مسائل میں احادیث صحیحہ کے مقابلے میں فقہائے احناف کی فقہی واجتہادی آراء کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ احادیث کو کھلم کھلا رد نہیں کرتا بلکہ ان کی حجیت کا اعتراف کرتا ہے نقد و تحقیق حدیث کے جو اصول وضوابط محدثین نے مقرر فرمائے ہیں ان کو تسلیم کرنے کا دعوی کرتا ہے جیسا کہ جناب سرفراز صفدر کا ایک اقتباس ہم پہلے نقل کر آئے ہیں جس میں جرح و تعدیل کے مسلمہ اصولوں کے ماننے کا اظہار ہے لیکن عملی طور پر اس کا رویہ اس کے برعکس ہے اور یہ لطائف الحیل احادیث صحیح سے گریز وانحراف اور ضعاف و مراسیل سے استناد کرنا اس کا شیوہ ہے تا کہ کسی نہ کسی طریقہ سے فقہی مسئلہ صحیح ثابت ہو جائے۔

اس گروہ کے قول و عمل کے اس تضاد کی وضاحت ہم کر آئے ہیں اس تضاد و تناقض عمل ہی نے اختلافات کی خلیج کو وسیع اور اس کی شدت و حدت کو تیز کیا ہوا ہے۔

ذرا غور فرمایئے ایک راوی جس کی بیان کردہ حدیث سے فقہ حنفی کے کسی مسئلے کی نفی ہوتی ہے، اسوقت وہ راوی ضعیف قرار پاتا ہے اور جب اسی راوی کی کسی روایت سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا اثبات یا اس کی تائید کا کوئی پہلو نکلتا ہے تو وہ راوی ثقہ ہو جاتا ہے۔

ایک روایت، جس کے کسی ایک جزء سے حنفی مسئلہ ثابت ہو تا ہے اور اس کے دیگر حصوں سے اہل حدیث کے مسائل کا اثبات ہوتا ہے تو اس کے ایک جزء کو مان لیا جاتا ہے اور دوسرے حصوں کو رد کر دیا جاتا ہے حالانکہ حدیث ایک ہے، سند ایک ہے، راوی ایک ہے، اگر وہ صحت اسناد کی وجہ سے قابل حجت ہے تو اس سے ثابت شدہ سارے ہی مسائل صحیح ہو نے چاہیں نہ کہ اس کا کوئی ایک مسئلہ۔

ایک حدیث کسی محدث نے اپنی کتاب میں درج کر نے کے ساتھ ہی وضاحت کر دی کہ اس میں فلاں فلاں راوی سخت ضعیف ہے یا فلاں راوی مجہول ہے یا اور کسی علت قادحہ کی وضاحت کر دی، صاحب کتاب (محدث) تو وضاحت کر کے بری الذمہ ہو گیا کہ لوگ اس سے استدلال نہیں کرینگے اور وضاحت سے اصل مقصود بھی یہی ہوتا ہے لیکن، شیخ الحدیث، کے منصب پر فائز حضرات اس منکر روایت سے استدلال کر لیتے ہیں اور راوی کے ضعف کی صراحت کو گول کر جاتے ہیں۔ اختلافی مسائل میں یہ لطیفے عام ہیں، کیا یہ معرفت حدیث کے اصول وضوابط کو ماننا ہے؟ یا علمی امانت و دیانت کے مطابق ہے یا علماء کے شایان شان ہے؟

اگر یہ دوسرا گروہ علمی دیانت و امانت کے تقاضوں کو صحیح طور پر بروئے کار لائے اور عند المحدثین صحت و ضعف حدیث کے اصولوں کو عملی طور پر اپنالے تو یہ احناف کے پہلے گروہ کے، جن میں ان کے ائمہ بھی شامل ہیں، بہت قریب آجائیں گے اور پھر اہل حدیث اور احناف کے مابین فقہی اختلافات کی شدت و وسعت بھی بہت حد تک کم ہو سکے گی۔ کاش کہ ایسا ہو سکے۔

تیسرا گروہ، یہ آخر الذکر ہے جسکی تفصیل ہم نے پیش کر دی ہے، اس میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ یہ گروہ واشگاف الفاظ میں صحیح احادیث کا انکار اور غیر ثابت شدہ ضعیف احادیث کو تسلیم کرنے کا اعلان کر رہا ہے۔ اور یہ صرف اعلان ہی نہیں ہے اس کا عمل بھی اس کے عین مطابق ہے۔ یہی نہیں بلکہ احادیث کا استخفاف اور ان کے ساتھ استہزاء بھی اس گروہ کا شعار ہے جس کی ایک مثال، 12 مسائل، کے مولف شیخ الحدیث، کا درج ذیل اقتباس ہے ملاحظہ فرمایئے: اگر سنت اور حدیث ایک چیز ہے تو تم (اہل حدیث) سینکڑوں سنتوں کے تارک ہو، حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فرمانے پر بالغ آدمی کو اپنا دودھ پلایا۔ (صحیح مسلم: 1/ 469) غیر مقلد مرد و زن سب اس دودھ پینے پلانے کی سنت سے محروم ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا (بخاری۔ ص35) لیکن غیر مقلد مرد و زن اس سنت کے تارک ہیں۔ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وضو کے بعد اپنی بیوی کے بوسے لئے، پھر آکر نماز پڑھائی (ترمذی۔ ص25) نبی پاک نے اپنی نواسی امامہ کو کندھوں پر اٹھا کر نماز پڑھی (بخاری: ص74)۔ غیر مقلد اپنی بچیوں کو مسجد میں لاتے ہیں، نہ ان کو کندھوں پر اٹھا کر نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ آپ (اہلحدیث) لوگوں اپنی مردہ سنتوں کو زندہ کرنے کی توفیق دے۔ (کتاب، بارہ مسائل: 16/1)

اس، شیخ الحدیث والتفسیر، کی جسارت ملاحظہ فرمائیں وہ حدیث یا سنت کہہ کر باقاعدہ حوالوں کے ساتھ مذکورہ اعمال پیش کر رہا ہے، جن سے اسلام کے، دین آسان، ہونے کا ثبوت ہو رہا ہے جیسا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمان ہے: الدین یسر (صحیح بخاری: ص39) شریعت اسلامیہ کی یہ خوبی اس، شیخ الحدیث، کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹک رہی ہے اسی لئے استہزاء کے طور پر ان خوبیوں کا ذکر کر رہا ہے، حالانکہ یہ سب واقعات صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور ان کا مطلب یہ ہے کہ بوقت ضرورت یہ افعال کئے جا سکتے ہیں، شرعاً ان کی اجازت ہے۔ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کا جواز بتلانے کے لئے مذکورہ اعمال حسب ضرورت اختیار فرمائے، جس کا مقصد یہی ہے کہ کبھی ضرورت پڑے تو مذکورہ اعمال نبوی کی روشنی میں ان کا کرنا جائز ہو گا۔ الحمد للہ ہم اہل حدیث کا یہی عقیدہ ہے کہ مذکورہ اعمال چونکہ صحیح احادیث میں بیان ہوئے ہیں تو امت بھی جب ضرورت پڑے ان پر عمل کر سکتی ہے۔